بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ اشرف

(سوانح حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

مؤلفہ

غلام محمد عفی عنہ

بی۔ اے (عثمانیہ)

ناشر

کاروانِ ادب .... کراچی

Marfat.com

جملہ حقوق بحق کاروانِ ادب محفوظ ہیں

طبع اوّل

نومبر ۱۹۵۱ء

تعداد ایک ہزار

قیمت تین روپیہ بارہ آنہ

مطبوعہ۔ کلیم پریس کراچی

ناشر

کاروانِ ادب کلیم پریس بلڈنگ۔ نزد شوز مارکیٹ لارنس روڈ کراچی

Marfat.com

فہرست مضامین

شمارہ	عنوان	صفحہ
	پیش لفظ از حضرت مولانا سید عبد الباری صاحب ندوی مدظلہٗ	د
	تقریظ از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہٗ	ر
	گذارش احوال واقعی از مولف	س
	باب اول از طلوع تا غروب { صفحہ ۱ تا ۶۸	
	نسب اور خاندان	۱
	ولادت اور بچپن "	۴
	حصول علم "	۹
	طالب علمانہ حیثیت "	[illegible]
	افادۂ علمی "	۱۶
	اصول تعلیم "	[illegible]
	اکابر عصر کی خدمت میں	[illegible]
	شیخ دوراں سے تعلق اور حج بیت اللہ	[illegible]

شمارہ	عنوان	صفحہ
	حج ثانی اور صحبت شیخ	۳۴
	واپسی اور قیام وطن	۴۰
	علالت و رحلت	۵۹
	وصال شیخ	۶۲
	باب دوم آثار علمیہ { صفحہ ۶۳ تا ۹۱	
	جامعیت آثار	۶۵
	تجوید و قرأت و متعلقات قرآنی	۷۰
	ترجمہ و تفسیر قرآن	۷۱
	علوم القرآن	۷۴
	علوم الحدیث	۷۹
	علوم الفقہ	۸۴
	علم کلام	۸۵
	علم سلوک و تصوف	۸۶

Marfat.com

شمارہ	عنوان	صفحہ
	اصلاحیات	۹۰
	باب سوم نقوش عملیہ ص ۹۲ تا ۱۳۸	
	خانقاہ کی حقیقت و اہمیت	۹۳
	خانقاہ امدادیہ	۹۷
	ضبط اوقات و تنظیم کار	۱۰۰
	توازن طبع	۱۰۷
	تبلیغ و اشاعت دین	۱۱۲
	مربیانہ شان	۱۲۰
	تربیت یافتگان اشرفیہ	۱۳۰
	کرامات	۱۳۴
	باب چہارم مسلک اشرفیہ ص ۱۳۹ تا ۱۶۱	
	اعتدال	۱۴۰
	تصوف وصوفیہ	۱۴۲
	مسلک سیاسی	۱۵۰
	وصیتیں	۱۵۸
	باب پنجم معالجات اشرفیہ ص ۱۶۲ تا ۱۶۸	
	ضروری تمہید	۱۶۳
	اختیار کا نسخہ	۱۶۴
	پریشانیوں کا علاج	"
	بدنظری کا علاج	"
	مبتلائے معصیت زنا	"
	ولواطت کا علاج	"
	غیبت کا علاج	۱۶۵
	کبر کی حقیقت اور اس کا علاج	"
	غصہ کا علاج	"
	حسد اور غبطہ کا فرق اور حسد کا علاج	۱۶۶
	کینہ اور طبعی انقباض کا فرق اور کینہ کا علاج	"

Marfat.com

شمارہ	عنوان	صفحہ
	حب جاہ کا علمی و عملی علاج	۱۶۶
	ریا کی حقیقت اور اسکا علاج	"
	علاج کذب	۱۶۷
	وسوسوں کا علاج	"
	حصول راحت کا نسخہ اکسیر	"
	پنج گنج اشرف	"
	تمت	
	ضروری متفرق عنوانات	
	طریق اجتباء و طریق انابت	۸
	وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود	۳۷
	ذوق و شوق مقصود اصلی نہیں	۴۱
	حال اور مقام	"
	ایک آخری روحانی کمائی	۴۷
	ایک محسن کی یاد پر دو آنسو	۵۵
	تجدید کے متعلق معتدل رائے	۱۱۰
	ادارۂ دعوت الحق	۱۱۶
	ظاہری و باطنی دونوں پر شریعت حاکم ہے	۱۲۰
	شیخ سے یہ سمجھے نہ کہ جنت کا ٹھیکہ دار	۱۲۳

شمارہ	عنوان	صفحہ
	بیعت کے اصول	۱۲۳
	اجازت شیخ کا درجہ	۱۲۵
	طالب کیلئے چار چیزیں ضروری ہیں	۱۲۶
	نصف سلوک	۱۲۶
	مجاہدہ کا درجہ اور زاہد اور راہب کا فرق	۱۲۷
	کیفیت و احوال کا درجہ	۱۲۸
	اصل شئے اتباع سنت و محبت شیخ ہے	۱۲۸
	اس طریق کا اول قدم فنا ہے	۱۲۹
	شیخ کی نظر ملکات پر ہونی چاہیئے	۱۲۹
	ایک عبرت آموز واقعہ	۱۳۲
	کرامات کا درجہ	۱۳۴
	سلاسل اربعہ	۱۴۲
	عام صوفیائے کرام اور خصوصاً حضرات چشتیہ	۱۴۳
	شیخ اکبرؒ سے متعلق مسلک	۱۴۵
	حسین ابن منصور حلاجؒ	۱۴۶
	ایک عام اصول اور اہم انتباہ	۱۴۷
	مجاہدات اربعہ	۱۴۸
	حمایت مسلم لیگ کے حدود	۱۵۴

Marfat.com

کاروانِ ادب کراچی

ایک ایسا پبلشنگ ہاؤس ہے جو حیدر آباد ٹرسٹ کی جانب سے قائم ہوا ہے۔ اس لیئے اس کا مقصد نفع حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ ملک میں اعلیٰ معیاری ادب کی ترویج، مصنفین (جن میں حیدر آبادی و غیر حیدر آبادی کی کوئی تمیز نہیں ہے) کی ہمت افزائی اور عوام کے لیئے مناسب داموں پر عمدہ کتب فراہم کرنا اور تاجران کتب سے بہتر اساس پر معاملہ کرنا اس ادارہ کے پیش نظر ہے۔

اپنی ضروریات کے لئے لکھیئے

کاروان ادب۔ کلیم پریس نزد شوز مارکیٹ
لارنس روڈ کراچی

Marfat.com

پیش لفظ

از

(حضرت مولانا سید عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ سابق پروفیسر فلسفہ جامعۂ عثمانیہ)

(الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین)

تصنیف کا مطالعہ مصنف سے غائبانہ تلمذ و استفادہ ہوتا ہے۔ اس استفادہ کا نفع بہت بڑھ جاتا ہے اگر خود مصنف کی صورت و سیرت و طبیعت سے کچھ حاضرانہ تعارف و تعلق رہا ہو۔ خصوصاً دین کے تجدیدی و اصلاحی مصنف کی روح تجدید و اصلاح کے فہم و قبول کے لیے تو اور بھی اس کی شخصیت سے آگاہی ضروری ہوتی ہے۔ لیکن کسی مصنف و مصلح سے یہ حاضرانہ واقفیت بھی اس کے تھوڑے بہت معاصرین ہی تک محدود رہتی ہے۔

نعم البدل نہیں لیکن ممکن بدل اس کا صاحب تصنیف کی معتبر و مستند سوانح حیات ہوتی ہے۔ الحمد للّٰہ کہ وقت کے سب سے جامع مجدد و مصلح مصنف (حضرت مولائی و مولانا جامع المجددین حکیم الامتہ علیہ الرحمتہ) کی

Marfat.com

ایسی سوانح خود حضرت کی لفظ لفظ نظر فرمائی کے بعد دربار اشرفی کے سب سے زیادہ حاضر باش اور خسرِ ثانی (حضرت خواجہ عزیز الحسن نور اللہ مرقدہٗ) کے قلم سے تین مجلدات میں اشرف السوانح کے نام سے صاحب سوانح کی زندگی ہی میں شائع ہو چکی تھی اور بعد وفات چوتھی جلد بنام خاتمۃ السوانح کی سعادت بھی "قلم عزیز" ہی کے حصے میں آئی۔

گو صاحب سوانح جیسی علم و عمل، ظاہر و باطن، عدل و حکمت، جمال و جلال کی جامع شخصیت کی کامل سراپا کشی کا تو حق ادا ہی کون کر سکتا ہے کہ "بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست" پھر بھی جو لوگ حضرتؒ کے نام اور کام سے برائے نام واقف یا سرے سے نا آشنا ہیں ان کی ابتدائی معرفت کے لیے ان مجلدات کی ایسی تلخیص درکار تھی جو چند گھنٹوں کے مطالعہ و فرصت ہی میں حضرت حکیم الامتؒ کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کی ایک جھلک سامنے کر دے۔

حق تو یہ تھا کہ یہ مرقع حضرت سید القلم "اعجاز رقم" مولانا سید سلیمان صاحب مدظلہ العالی کے ہاتھ سے کھنچتا، خصوصاً جدید تعلیم کے مختلف طبقات کی کشش کے لئے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ سعادت ممدوح محترم ہی کے ایک مسترشد سعید اور خود تعلیم جدید ہی کے ایک فرزند عزیز (مولوی غلام محمدؐ صاحب بی۔ اے عثمانیہ) کو عطا فرمانا تھا جزاہ اللہ احسن الجزاء

ماشاء اللہ تلخیص و اختصار کے اہتمام کے ساتھ کوئی خاص پہلو چھوڑا نہیں، نیز حضرت سید صاحب ممدوح کا ایک مستقل مضمون بھی ایسا شریک

Marfat.com

کردیا گیا ہے جو حضرت "جامع المجددین" کی تصنیفی و اصلاحی، علمی و عملی معیت جامعیت
پر حضرت سید القلم "اعجاز رقم" کا اعجاز مجسم ہے۔ اور یہ حیات اشرف
بحمد اللہ ہر اعتبار سے ایسا بقامت کہتر بقیمت بہتر "مجموعہ ہو گیا ہے
جو بے تکلف اور بہ دلچسپی بہت تھوڑی فرصت میں عصر حاضر کی سب سے بڑی
اور ہمہ گیر تجدیدی و اصلاحی شخصیت سے آشنا کر سکتا ہے۔

حق تعالیٰ مؤلف سلمہ کی اس بر وقت خدمت کو قبول و مقبول فرمائے
اور اس کے پڑھنے والوں کو خود صاحب سوانح کی اصلاحی و تصنیفی افادات
سے مستفید ہونے کا شوق پیدا ہو کہ راقم احقر کی فہم و نظر میں دین ہی نہیں
دنیا، اور مسلمان ہی نہیں انسان بننے بنانے کی راہ بھی اس عہد بے راہ روی
میں اسی مصلح و مجدد وقت کی زبان و قلم کے واسطہ سے کھولی گئی ہے۔
وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

احقر العباد
عبد الباری غفرلہ
۱۶ رجب ۱۳۷۰ھ م ۲۳ $\frac{۴}{۵۱}$ ء

Marfat.com

تقریظ

از

(فاضلِ اجل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، دیوبندی مدظلہ العالی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی سوانح حیات ہمارے بھائی خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے تین جلدوں میں اور پھر اُس کا تکملہ چوتھی جلد میں لکھا لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ سوانح اشرفیہ کا بیان ان چار جلدوں میں بھی دریا بکوزہ ہی کا مصداق تھا۔ مگر عام طور پر لوگوں کے مشاغل اور قلّت فرصت کے پیش نظر اس کی بھی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ان چاروں جلدوں کی ایسی تلخیص بھی ہو جائے جو قلیل الفرصت آدمی تھوڑے وقت میں دیکھ سکے اور اشرف السوانح کے اہم مضامین پر اجمالاً مطلع ہو سکے۔ الحمد للہ کہ اس ضرورت کے لئے عزیز محترم مولوی غلام محمد صاحب حیدر آبادی نے قلم اُٹھایا۔ کافی محنت اور تحقیق کے ساتھ یہ **حیاتِ اشرف** تصنیف فرمائی۔ اس کے بہت سے مقامات متفرقہ کو احقر نے بھی دیکھا اور اپنے مشورے بھی مصنف سلمہ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ میرے خیال میں یہ کتاب اپنے موضوع کیلئے کافی اور نہایت مفید ہے اللہ تعالیٰ مؤلف سلمہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

(بندہ محمد شفیع جیکب لائن کراچی)

۱۰ رمضان ۱۳۶۹ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گذارش احوال واقعی

یاد ایام جب اس نامہ سیاہ نے ایک نیم مذہبی ماحول کے اندر اس دارفانی میں آنکھیں کھولیں۔ پھر اسلام کی حقیقت و افادیت سے ناآشنا لیکن ایک پیدایشی پیرو مذہب کی حیثیت سے عمر کی ابتدائی منزلیں طے کرتا رہا، اسکول کی تعلیم رفتہ رفتہ اپنا رنگ جماتی چلی گئی۔ میٹرک کے درجہ میں پہونچکر ایک اپ ٹو ڈیٹ نوجوان بن گیا۔ مذہب سے گریز بلکہ اس سے تمسخر میں مزہ آنے لگا۔ ایف۔ اے کا آخری زمانہ تھا کہ کانوں نے مذہبی راگ ایک ایسے مُغنی سے سُنی جو خود سراپا ساز تھا۔ اوس کے اثر سے قلب و دماغ بچ نہ سکا قایدِ ملت نواب بہادر یار جنگ صدر مجلس اتحاد المسلمین (اعلی اللہ مقامہ) کی ساحرانہ تقریروں نے خود ان کی صحبت میں پہونچایا اور ان کی صحبت نے "کلام اقبال" سے روشناس کرایا، اور اس کے اثر سے یہ عاصی ایک کٹر سیاسی مسلمان[1] بن گیا۔ لیکن پھر قایدِ ملت ہی کے درس ہائے تفسیر قرآن نے "حقیقت دین" تک پہنچنے کی ایک تڑپ پیدا کردی اور قلب و دماغ پر یہ جذبہ مستعلی ہوگیا ایل، ایل، بی کا ابتدائی سال تھا کہ ارحم الرّحمین کا اس گنہگار پر کرم عظیم ہوا۔

---

[1] "سیاسی مسلمان" سے میری مراد وہ ہیں جس کی زبان پہ اسلام کی رٹ ہو باقی دل و دماغ، اعضا و جوارح سب ندرِ فرنگ ہیں۔

Marfat.com

ایک ہستی رونق بخش حیدرآباد ہوئی، جس کی حیثیت اس وقت تک اپنے ذہن میں "ایڈیٹر معارف" سے زیادہ نہ تھی، اس بے بصیرت کو پتہ نہ تھا کہ یہ عرفاً "مدیر معارف" لیکن حقیقتاً "صاحب معارف" ہیں اِسے خبر نہ تھی کہ یہ "استاذ الکل" ہیں، "اسلام کی جوئے شیر کے فرہاد" ہیں[1] اور تھانہ بھون کے عارف کامل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (قدس سرہٗ) سے بھی یہ سند امتیاز رکھتے ہیں۔

"از سلیماں گیر اخلاصِ عمل | دان ندوی را منزہ از دغل
اے دلت معمور از اسرار حق | اے دلت مخمور از آثار حق
اے دلت پر نور از انوار حق | اے دلت مسرور از اخبار حق"[2]

ایک دوست کے کہنے پر پہلی مرتبہ اِس "صاحب معارف" کی خدمت میں حاضری کا شرف ملا، اس روز کانوں نے جو کچھ سُنا اور دل نے جو کچھ قبول کیا اُس کا خلاصہ خود حضرت سیدی و مولائی علامہ سیّد سُلیمان ندوی مدظلہ العالی کی زبان حقیقت ترجمان میں یہ تھا ؎

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے | وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیاتِ دو روزہ کا کیا عیش و غم | سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے
یہ اسبابِ دستِ قدرت میں ہیں | قلم دست کاتب میں جیسے رہے

کن الفاظ میں اُس اثر کا اظہار کروں جو قلب پر ہوگیا۔

---

[1] دیکھو "اقبال نامہ" یعنی مکاتیب اقبال

[2] تفصیل کے لئے دیکھو باب آثار علمیہ

Marfat.com

اُدھر کھنچتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل ہے ۔ اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل ہے [1]

غرض حضرت سیدی مدظلہ العالی کے طفیل اس صحرا نورد کو گلزار اشرفی (تصانیف و مواعظ اشرفیہ) کی سیر میسر آئی اور یہ اُسی عطر بیز فضا کا نتیجہ ہے کہ بحمداللہ اب عمر کی تیسویں منزل پر پہونچکر دماغ اسلام کی صداقت کا قائل اور دل اس کی معنویت کا گھائل ہے ۔ کوتاہی ہے تو عمل کی ہے، حق تعالیٰ اس کمی کو پورا فرمادیں کہ بازار آخرت میں نفع دینے والی یہی "جنس عمل" ہے ۔

چونکہ اپنے اس انقلاب میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و تصانیف کا بھی ایک خاص حصہ رہا ہے اور آج بھی وہ اصلاح و تقویت عمل کا موجب ہیں ۔ اس لیے خیال ہوا کہ اور انگریزی داں اصحاب تک بھی یہ سلسبیل پہونچائی جائے جس کے نہ پہونچنے سے ہزاروں دل و دماغ کی کھیتیاں خشک و مردہ ہیں ۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے محسوس کیا کہ صرف زبان کی قدامت کے باعث بہت سے اس فیض سے محروم ہیں ورنہ یہ وہ مئے نہیں جو ایک بار لگنے پر عمر بھر چھوٹ سکے ۔ چنانچہ سیدی و مرشدی مدظلہ العالی کی اجازت سے حضرت اقدسؒ کے ایک وعظ اللہ تعالیٰ والآخرۃ کی تسہیل کی جرأت کی ۔

الحمدللہ کہ اس کوشش نے "خاطر سلیمانی" میں اطمینان کا مقام پایا اب طباعت و اشاعت کیلئے مسودہ ناشر کے ہاں جا چکا تھا کہ حیدرآباد

---

[1] یہ شعر خود حضرت سیدی مدظلہ نے اپنے شیخ قدس سرہٗ کے دلنشین و پراثر انداز بیان کے متعلق کہا ہے

دکن کی قسمت نے پلٹا کھایا اور آن کی آن میں وہ کچھ ہوگیا جو وہم و گمان سے باہر تھا، اس انقلاب نے ناشر کو اور خود احقر کو یکے بعد دیگرے کراچی آنے پر مجبور کردیا شکر ہے کہ وعظ کا مسودہ جو ایک ہی تھا ناشر کے ساتھ محفوظ رہا اب جب یہاں اس کی اشاعت کا وقت آیا تو جناب ناشر (مالک نفیس اکیڈیمی) نے مشورۃً کہا کہ اُس وعظ کے ساتھ اگر صاحب وعظ رحؒ کی حیات بھی نو تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے آجائے تو زیادہ نفع کی اُمید ہے۔

مشورہ بہت نیک تھا، لیکن کام ہمت کا طالب اور اہل رائے کی اجازت کا خواہاں تھا، حضرت سیدی مدفیوضہٗ تو عازم حج ہو چکے تھے، اتفاقاً ایک روز اس کا ذکر اپنے محترم و لائق تقلید دوست مولوی نور احمد صاحب اکیابی (خلیفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ) کے سامنے آیا، موصوف نے ہمت بندھائی بلکہ عجلت کا مشورہ دیا کہ "بہشتی زیور" کے ساتھ بھی اس کو شریک کیا جاسکے، لیکن پھر بھی کھٹک باقی تھی، آخر اپنے خیال اور دوست محترم کی تائید کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں پیش کیا اور جب اس بارگاہ سے بھی ہمت افزائی ہوئی تو توکلاً علی اللہ کام شروع کردیا، ارادہ تو یہ تھا کہ ۶۰، ۷۰ صفحوں میں اس کو تمام کیا جائے تاکہ مقدمہ کے طور پر شریک رہے۔ لیکن جب لکھنے لگا تو تائید غیبی اور وسعت عنوان کے تقاضے سے یہ ایک مستقل تالیف ہوگئی۔

حضرت حکیم الامت رحؒ کی سوانح حضرت کے ایک خلیفہ خاص خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب (بی اے۔ ال۔ ال۔ بی علیگ) حضرت ہی کی حیات

ہیں بعنوان "اشرف السوانح" بڑی سائز کے (۸۶۸) صفحات میں تحریر فرما چکے تھے، اور پھر حضرت شیخ کے وصال پر اس کا تتمہ (۱۴۱) صفحوں میں ختم فرمایا تھا، اس قدر ضخیم ذخیرہ کو اپنے انداز میں چھوٹی سائز کے ڈھائی تین سو صفحوں میں لے آنا بڑا ہی ہمت شکن کام تھا لیکن بحمد اللہ جیسا کچھ ہو سکا ہدیۂ ناظرین ہے۔

حکیم الامت کی اس مختصر سوانح کے بیشتر اجزا تو "اشرف السوانح" ہی سے ماخوذ ہیں۔ البتہ آثار علمیہ کا پورا باب حضرت سیدی و مرشدی دامت برکاتہم کے مضمون "حکیم الامت کے آثار علمیہ" کی نقل ہے۔ "مسلک اشرفیہ" کے باب میں پروفیسر مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ کی کتاب "تجدید سلوک" سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس کے علاوہ خود حضرت صاحب سوانح قدس سرہ کے مواعظ اور آپ کی تصانیف بھی پیش نظر رہی ہیں۔ پھر اس ساری احتیاط کے باوجود اس کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی نگاہ تنقید سے گزارا گیا ہے اور حضرت سیدی و سندی دامت فیوضہم نے بھی اس کو شرف نظر بخشا ہے۔

اس تالیف کی طباعت و اشاعت میں اپنی کوشش کے باوجود کافی تاخیر ہو گئی۔ لیکن اس کی مصلحت اب یوں ظاہر ہوئی کہ وہم و گمان کے خلاف حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ یہاں تشریف لائے، موصوف نے کتاب کا مسودہ حرف بحرف پڑھا اور اس پر ایک "پیش لفظ" لکھکر ممنون فرمایا۔

Marfat.com

چند برس پہلے جب "قائدِ ملّت" (سوانح بہادر یار جنگ مرحوم) کی تالیف ہو سکی تھی تو یقین نہ آتا تھا کہ اس کو مقبولیت کا شرف بھی ملے گا، لیکن آج جبکہ اپنا یہ گمان غلط ثابت ہو چکا ہے تو اب حق تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندہ "مجددِ ملت" "حکیم الامت" قدس سرہٗ کے سوانح حیات کو پیش کرتے وقت دل اس ذرہ نواز کے لطف و کرم سے پُر اُمید ہے ؎

می تواند کہ دہد اشک مرا حُسنِ قبول
آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

فقط

اُمیدوارِ رحمت
غلام محمد عفی عنہٗ

۱۸ر رجب سنہ ۱۳۷۰ھ
مطابق
۲۵ر اپریل سنہ ۱۹۵۱ء

بابِ اوّل

از طلوع تا غروب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

"نسب اور خاندان"

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی سے قبل راجہ بھیم نے ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ اپنے نام سے "تھانہ بھیم" بسایا تھا۔ پھر مسلمانوں کی آمد و سکونت پر اس کا نام "محمد پور" ہوا۔ مگر یہ نام مشہور نہ ہوا۔ اور وہی پرانا نام معروف رہا۔ البتہ "تھانہ بھیم" سے تھانہ بھون ہوگیا۔ یہ قصبہ اپنی مردم خیزی میں مشہور چلا آرہا ہے۔ اور یہاں کے مسلمان شرفا اہل شوکت و قوت اور صاحب فضل و کمال رہے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کے اجداد نے آج سے صدیوں پہلے قصبہ تھانہ بھون میں طرح اقامت ڈالی تھی۔ ددھیال کے اجداد تھانیسر ضلع کرنال سے نقل سکونت کر کے یہاں آئے تھے اور نسباً "فاروقی" تھے اور ننھیال کے اجداد جھنجھانہ سے تھانہ بھون منتقل ہوئے تھے اور علوی تھے ؎

زکیسوئے تو گل دز یکطرف پیام یار آید من آن دیوانہ ام کز ہر دو سو مرا بہار آید

Marfat.com

حکیم الامت کے والد ماجد عبدالحق صاحب مرحوم ایک مقتدر رئیس صاحب
نقد و جائداد اور کشادہ دست انسان تھے۔ میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے
مختار عام تھے۔ اور باجازت رئیس کمسریٹ کے ٹھیکے بھی لیا کرتے تھے، فارسی
میں اعلیٰ استعداد رکھتے تھے۔ اور گو حافظ قرآن نہ تھے مگر ناظرہ بہت قوی
تھا۔ اور قرآن مجید بہت صحت سے پڑھتے تھے۔ ذہنی اعتبار سے بڑے ہی
فرسی تھے جس کا ایک کھلا ثبوت یہ ہے کہ اپنے صاحبزادوں کی استعداد
وصلاحیت اور افتاد طبع کو بچپن ہی سے تاڑ گئے تھے اور اسی بنا پر حکیم الامت رح
کو عربی و دینیات اور چھوٹے صاحبزادے اکبر علی مرحوم کو انگریزی و علوم
دنیوی میں لگا دیا تھا۔ اور اس تفریق تعلیم پر ان کو اس درجہ اعتماد تھا
کہ ایک مرتبہ جب ان کی بہاوج صاحبہ نے کہا "بھائی تم نے چھوٹے کو تو انگریزی
پڑھائی ہے وہ خیر کما کھائیگا۔ بڑا عربی پڑھ رہا ہے۔ وہ کہاں سے کھائیگا
اور اس کا گزارہ کس طرح ہوگا؟ جائداد تو دو میں تقسیم ہو کر گزارے کے
قابل نہ رہیگی" ـــــ تو مرحوم پورے یقین اور جوش سے کہہ اٹھے۔
"بھابی صاحبہ! آپ کہتی ہیں کہ یہ عربی پڑھکر کھائیگا کہاں سے؟ خدا کی قسم
جس کو آپ کمانے والا سمجھتی ہیں اس جیسے اس کی جوتیوں سے لگے لگے
پھرینگے اور یہ ان کی طرف رخ بھی نہ کریگا" یہی وجہ تھی کہ اکبر علی مرحوم
سے کہیں زیادہ حکیم الامت ہی پر روپیہ صرف کرتے تھے اور کہتے تھے
مجھے اس پر (حکیم الامت) رحم آتا ہے، وہ جو کچھ مجھ سے لیتا ہے میری زندگی
ہی تک لیتا ہے، میرے بعد یاد رکھو کہ وہ میرے مال و متاع سے بالکل علیحدہ

Marfat.com

رہیگا۔۔۔۔ کس بلا کی فراست ہے، اور مزاج شناسی! اگر مرحوم کچھ اور ہوتے تو ان کی یہی باتیں کرامات کہلاتیں۔ کیونکہ ان کا ہر قیاس آئندہ زندگی میں حقیقت بن کر جلوہ نما ہوا۔

حکیم الامت کی والدہ ماجدہ بھی بڑی ذہین اور "صاحب نسبت" بی بی تھیں آپ کے ماموں پیرجی امداد علی صاحب ایک صاحب حال وقال بزرگ تھے۔ یہ اپنے وقت کے مجذوب کامل حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی کے مشورہ سے حیدرآباد دکن تشریف لائے۔ یہاں ملازم بھی ہوئے اور بعد کو حضرت مجذوب ہی کے ایماء سے مرزا سیم دار جنگ صاحب کی ارادت میں داخل ہوئے جنہوں نے نوابی و جاگیرداری کو ٹھکرا کر فقر و درویشی اختیار کر لی تھی ۔۔۔۔ گو حکیم الامت کو مسائل و حقایق میں اپنے ماموں سے اختلاف تھا مگر ان کا جذبہ عشق بہرحال قابل قدر تھا، یہ ان کے عشق شعلہ باری کا اثر تھا کہ بقول حکیم الامت: "ان کے اشعار سے آگ برستی تھی"۔ چنانچہ خود حضرت نے ان کا یہ شعر بارہا نقل کیا ہے ؎

ساقی نزاستی سے کیا حال ہوا ہوگا — جب تو نے یہ مئے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

آپ کے نانا میر نجابت علی صاحب اعلیٰ درجے کے فارسی داں، انشا پرداز لطیفہ گو، بذلہ سنج اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی کے ایک خلیفہ خاص کے مرید تھے۔ اور حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔

آپ کے جد اعلیٰ سلطان شہاب الدین علی "فرخ شاہ" کابلی تھے۔

جن کی اولادیں متعدد علمائے حقانی اور صوفیائے ربانی ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی، شیخ جلال الدین تھانیسری، اور شیخ فریدالدین گنج شکر اسی سلسلۂ ذہب کی چند کڑیاں ہیں۔ خود حضرت فرخ شاہ پہلے تو والی کابل رہے اور سلطنت غزنویہ کے زوال پر جذبۂ جہاد کے ماتحت کئی بار ہندوستان پر حملہ کر کے کافروں کو زیر کیا اور باہر اوپر لے آئے ــــ پھر اس جہاد اصغر سے فارغ ہو کر "جہاد اکبر" میں مصروف ہو گئے۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی جہاد الاکبر۔ کابل کے کوہسار کو اپنا نشیمن بنایا بزرگان چشت کے آگے زانوئے ارادت تہ کر کے مرتبۂ کمال کو پہونچے۔ اور ایک عالم کو فیض یاب کیا اور پھر بعد وفات وہیں دفن ہوئے۔ یہ موضع آجتک درہ "فرخ شاہ" کے نام سے مشہور اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

تا گوہر آدم نسبم باز نہ استم
زا بائے خود ارشیم اصحاب کرم را

ولادت اور بچپن

خاندان اشرف کی عظمت کا اندازہ ہو چکا، اب دیکھیے کہ ایسے عالی رتبہ خانوادہ میں جہاں دولت و حشمت اور زہد و تقویٰ بغلگیر ہوتے تھے حکیم الامت کی جامع شخصیت ظہور فرما ہوتی ہے۔

ولادت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ آپ کے والد مرحوم کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہتی تھی اس کی ظاہر وجہ یہ تھی کہ موصوف کو جب مرض خارش نے آ گھیرا اور کسی صورت سے دفع نہ ہوتا تھا تو مجبوراً کسی ڈاکٹر کے مشورہ سے ایسی دوا کھا لی تھی جو دافع خارش مگر قاطع نسل تھی۔ خارش تو جاتی رہی لیکن بظاہر بقائے نسل کے امکانات بھی دور ہو گئے۔ بات کب تک چھپی رہتی، خوش دامن صاحبہ کو اس کا پتہ لگا تو وہ سخت پریشان ہو گئیں۔ اور حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی سے عرض کی "میری لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے ہیں"۔

حافظ صاحب کا معاملہ تو یہ تھا۔ ع

"قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید"

فوراً مجذوبانہ انداز میں فرمایا: "عمرؓ و علیؓ کی کشاکش میں مر جاتے ہیں۔ اب کی باری علیؓ کے سپرد کر دینا"۔ اس معمہ کو کوئی بوجھ نہ سکا۔ لیکن حکیم الامت کی والدہ کے ذہن رسا نے اس کے راز کو پا لیا۔ وہ کہہ اٹھیں حافظ صاحب

Marfat.com

کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کی ددھیال سے فاروقی اور ننھیال ہے علوی اور اب تک جو نام بھی رکھے گئے وہ ددھیالی طرز پر تھے، اب کی بار جب لڑکا ہو تو ننھیالی وزن پر نام رکھا جائے جس کے آخر میں "علی" ہو۔" حافظ صاحب یہ سنکر ہنس پڑے اور فرمایا - لڑکی بڑی ہشیار ہے میرا منشا یہی تھا"۔۔۔ پھر فرمایا اور بڑے جوش سے فرمایا۔ "انشاء اللہ اس کے دو لڑکے ہونگے اور زندہ رہیں گے - ایک کا نام اشرف علی رکھنا اور دوسرے کا اکبر علی ۔۔۔ ایک میرا ہوگا اور وہ مولوی ہوگا۔ دوسرا دنیا دار ہوگا۔ چنانچہ اس مرد درویش نے جو کچھ توکلاً علی اللہ کہا تھا، حرف بحرف پورا ہوا، سچ ہے ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود ! گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

چنانچہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن صبح صادق کے ساتھ مجذوب کابل کی پیشین گوئی پیکر اشرف بنکر جلوہ نما ہوئی - خوش نصیب تھی وہ صبح جس کے پہلو سے یہ مہر درخشاں نکل آیا ۔

مادۂ تاریخ پیدائش "کرم عظیم" بھی کسی نے خوب نکالا ہے ۔

ولادت کے چودہ ہی مہینے بعد حضرت حافظ رح کی دوسری پیشین گوئی بھی پوری ہوئی اور نومولود کا نام اکبر علی رکھا گیا - چونکہ دو بچوں کے لیئے ماں کا دودھ کافی نہ تھا اس لیئے حکیم الامت کے لیئے ایک انّا رکھی گئی ابھی عمر شریف نے شاید پانچ ہی منزلیں طے کی تھیں کہ مادری شفقت کا سایہ سر سے اٹھ گیا - مگر شفقت پدری نے محبت مادری کا کام بھی انجام دیا چنانچہ حضرت کے والد ماجد نے حضرت کی حفاظت و تربیت بڑے ہی پیار اور

محبت سے کی - تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر جب مٹھائی بٹتی تو اس میں اپنے فرزند کو ہرگز شریک نہ ہونے دیتے بلکہ اس وقت خود بازار سے لاکر آپ کو کھلا دیتے اور سمجھاتے کہ مسجد کی مٹھائی لینا بے غیرتی کی بات ہے نو عمری میں ایک مرتبہ فرزند کی زبان سے مولانا رفیع الدین صاحبؒ (مہتمم اوّل دارالعلوم دیوبند) کے متعلق یہ جملہ نکلا کہ مولانا تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں، تو اس پر سختی سے ڈانٹا کہ گویا مارنا ہی باقی تھا - اور خوب جتایا کہ بزرگوں کی شان میں یوں نہیں کہا کرتے ہیں —— غرض اس طرح کی تراش سے جوہر اشرف کی جلا دن بڑھتی گئی -

خود طبیعت کا یہ حال تھا کہ بازاری لڑکوں کے ساتھ کھیل کود اور میل جول سے کبھی مناسبت نہ ہوئی اور اس کا باعث وہ "دینی مذاق" تھا جو فطرتاً آپ کے اندر موجود تھا —— یہ نہیں کہ آپ کھیل کود جانتے ہی نہ تھے مگر ہاں آپ کا رنگ یہاں بھی نرالا تھا - کھیلوں میں نماز باجماعت کی نقل اتارتے، بازار کی طرف نکل جاتے اور راستہ میں مسجد نظر پڑتی تو سیدھے اندر چلے جاتے اور ممبر پر چڑھ کر کچھ پڑھ پڑھا کر لوٹ آتے - گویا مستقبل کا خاکہ اس نیم شعوری دور ہی سے کھینچ رہے تھے —— آپ کے مزاج میں شوخی بھی تھی اور اس نے ذہانت سے مل کر عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی ایک ہی واقعہ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے - ایک نابینا حافظ قرآن تھے اور ان کو کلام مجید خوب یاد تھا اور اس پر ان کو ناز بھی تھا، حکیم الامت کی نو عمری تھی ابھی ابھی حفظ قرآن سے فارغ ہوئے تھے اور نابالغ ہونے کی

وجہ سے نوافل میں قرآن پاک سنایا کرتے تھے، ایک دن حافظ جی سے فرمایا کہ آج آپ کو دھوکہ دوں گا اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ فلاں آیت میں دھوکہ دونگا، حافظ جی نے برنبائے ناز کہا: "جاؤ بھی تم کیا مجھے دھوکہ دو گے، بڑے سے بڑے حافظ نہ دے سکے!" غرض جب آپ سنانے کھڑے ہوئے اور اس آیت پر پہونچے انما انت منذر ولکل قوم ھاد تو بہت ترتیل کے ساتھ پڑھا جیسا کہ رکوع کرنے کے قریب پڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب اس سے آگے اللہ یعلم، الخ پڑھنے لگے تو لفظ "اللہ" کو اس طرح کھینچ کر پڑھا گویا اب رکوع کریں گے، اور گویا "اللہ اکبر" کہنے والے ہیں۔ بس حافظ جی اسی تصور سے فوراً رکوع میں چلے گئے۔ ادھر آپ نے آگے قرأت شروع کر دی یعلم ما تحمل الخ حافظ جی لاچار پھر کھڑے ہو گئے اور آپ بے قابو ہو کر زور سے ہنس پڑے اور نماز توڑ کر الگ ہو گئے، اور جب خوب ہنس چکے تو دوبارہ نیت باندھ لی۔

اس شوخی کے ساتھ طبیعت کی سنجیدگی اور اس نوعمری میں آثار پختگی ملاحظہ ہوں ابھی ۱۲-۱۳ ہی برس کی عمر ہوگی کہ "فغان صبحگاہی" کی لذت سے آشنا ہو گئے۔ پچھلی رات سے اٹھ بیٹھتے۔ تہجد وظائف میں محو ہو جاتے تھے، معصومیت کی یہ نیازمندیاں کیا کچھ اثر نہ پیدا کر گئی ہونگی ——

والدہ تو تھیں نہیں، نانی صاحبہ بیچاری بہت بیتاب ہوتیں اور سمجھاتیں کہ اس نوعمری میں ان مشقتوں کی کیا حاجت ہے، لیکن جن کے مجمر قلب میں عشق کی آگ بھڑک چکی تھی اس کو کوئی ہوا بجھا نہ سکی، اور

Marfat.com

کیسے بجھا سکتی جبکہ صحبت و شاگردی تھی تو مولانا فتح محمد صاحبؒ جیسے آتش بجان اور شعلہ سامان بزرگ کی ! ع

ہرچہ گیرد علتی علت شود !

حکیم الامت میں لطافت طبع اس درجہ کی تھی کہ بچپن کے تقریباً لاشعوری دور میں کبھی کسی کا برہنہ پیٹ دیکھ لیتے تو فوراً قے ہو جاتی تھی، اس لطافت طبع کے باعث بہت ستائے گئے اور ہم عمر دوں نے بہت دق کیا —— یہ تو بچپن تھا، بڑے ہو کر یہ حال تھا کہ جس کمرہ میں تیز خوشبو ہوتی تو سو نہ سکتے تھے، کسی کا جھوٹا کھانا تقریباً ناممکن تھا۔ چنانچہ باوجود انتہائی عقیدت و محبت کے عمر بھر کبھی اپنے بزرگوں کا جھوٹا نہیں کھایا —— مزاج میں اصول پسندی اس درجہ کی تھی کہ آپ کی بڑی اہلیہ محترمہ فرمایا کرتی تھیں :- "آپ تو کسی بادشاہ کے ہاں پیدا ہوتے !"

مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ محدث جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے پیر بھائی اور اپنے شیخ کے خلیفہ ارشد تھے ۔ حکیم الامت کے بچپن ہی کے احوال و آثار سے آپ کے مستقبل کا اندازہ لگا چکے تھے اور فرماتے تھے ۔ "میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ ہوگا"!

اسی لڑکپن کے زمانہ میں حکیم الامتؒ نے ایک خواب دیکھا، جس کو ذہن نے پہلی بار محفوظ کیا، کہ بڑے مکان میں ایک پنجرہ رکھا ہوا ہے ۔ اس میں دو خوبصورت کبوتر ہیں، جب شام ہوئی اور تاریکی چھا گئی تو ان کبوتروں نے آپ سے کہا :- "ہمارے پنجرہ میں روشنی کر دو" آپ نے

Marfat.com

جواب دیا: "خود ہی کر لو" چنانچہ انہوں نے اپنی چونچیں رگڑ دیں جس سے ایک تیز روشنی ہوئی اور سارا پنجرہ منور ہو گیا۔

ایک مدت بعد جب انہوں نے یہ خواب اپنے ماموں واجد علی مرحوم سے بیان کیا تو انہوں نے تعبیر دی کہ وہ دو کبوتر روح اور نفس تھے۔ انہوں نے تم سے درخواست کی کہ مجاہدہ کر کے ہم کو نورانی کر دو۔ مگر تم نے جو یہ کہہ دیا کہ تم خود ہی روشنی کر لو اور انہوں نے اپنی چونچ رگڑ کر روشنی کر لی، اس کا یہ مطلب ہے کہ انشاء اللہ بلا ریاضت ہی حق تعالیٰ تمہاری روح اور نفس کو نور عرفان سے منور فرما دینگے — آیندہ اوراق بتائیں گے کہ یہ رویا رشاد فطرت کا ایک اشارہ تھا کہ ہم نے اس ہونہار کو چن لیا اور برگزیدہ کر دیا — اہل بصیرت سے یہ بات چھپی نہیں کہ گو طریق ولایت کسبی و اختیاری ہے مگر منصب ولایت محض وہبی ہے۔[۱]

اللہ یجتبی الیہ من یشاء الخ — بقول سیدی مدظلہ۔

انہی کے دینے سے ملتا ہے جس کو ملتا ہے — وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے

طریق اجتبار و طریق انابت[۱]

اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب (اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بنا لیتا ہے۔ اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنا راستہ دکھاتا ہے) اسی آیت سے صوفیائے کرام نے طے سلوک کے دو طریقے بتائے ہیں (۱) "طریق اجتبار" (۲) طریق انابت۔ پہلے طریق میں "محبوبیت" کا غلبہ ہے اور دوسرے میں "محبیت" کا — "طریق اجتبار" کے

چلنے والے میں سکون و قرار و طمانیت کی شان ہوتی ہے۔ انکسار و شائستگی اور تسلیم و رضا اُن کا شعار ہوتا ہے۔ اپنی بیچارگی اور اپنے ہمہ تن خطا وار ہونے کا اس درجہ تصور ہوتا ہے کہ عبادت بھی کرتا ہے تو ندامت و شرمساری غالب رہتی ہے۔ "طریق انابت" کے چلنے والے میں ولولہ و شوق اضطراب والتہاب کا غلبہ ہوتا ہے، اس کی کیفیت تمامتر والہانہ و عاشقانہ ہوتی ہے دنیا سے وحشت عیاں ہوتی ہے۔ اور غلبہ عشق میں اس کی زبان سے بعض ایسے کلمات بھی نکلتے ہیں جو صورۃً خلاف ادب معلوم ہوتے ہیں۔ گو اس کا منشاء سوء ادب نہیں ہوتا۔"

(دیکھو تبریز ترجمہ "ابریز" از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

٭٭٭

Marfat.com

حصولِ علم

حکیم الامت کی ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں، حافظ حسین علی مرحوم سے کلام پاک حفظ کیا، پھر تھانہ بھون آکر مولانا فتح محمد صاحب سے عربی کی ابتدائی اور فارسی کی متوسط کتابیں پڑھیں۔ پھر ماموں واجد علی صاحب مرحوم سے جو ادب وفارسی کے استادِ کامل تھے، فارسی کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد دیوبند پہنچکر بقیہ نصاب کی تکمیل منفعت علی صاحب سے کی اور اس زبان پر پورا عبور حاصل کیا۔

قیام دیوبند ہی کے زمانے میں ایک مرتبہ نارش میں مبتلا ہوکر گھر تشریف لائے اور بطور مشغلہ فرصت ایک مثنوی "زیروبم" لکھی جس سے آپ کی اس زبان میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ برس سے زیادہ نہ تھی۔ مثنوی سے پہلے ایک "اعتذار" لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

"بعد الحمد والتحیۃ لحقیقتہا والصلوٰۃ والسلام علی لیقہا، ہمی گوید گرفتار دردونالہ نادان ہشدہ سالہ خاکپائے درویشان وگرد راہ عشق کیشاں، در زاویۂ خمول افتادہ وسر بزانوئے گمنامی نہادہ۔

الفقیر الی اللہ الغنی، العاجز اشرف علی غفر الغفار ذنوبہ وستر الستار

عیوبے کہ این نامہائے چند برانگیختم از سوز نہانی، واین سوزہا بیرون افگندم از درد پنہانی۔ ہرچہ در دلم ریختند راتختم، ونیختند بیختم، نہ از قافیہ آگاہم نہ از ردیف اطلاعم، نہ از روئے خبر نہ از وزن نبائے، نہ عروض دانم نہ تقطیع خوانم۔ نہ اعتراضے برمن رود نہ سوالے برمن شود کہ مدعی نیم اعتراف قصوری کنم، نہ مایہ دارم نہ بضاعتے، نہ سودے نہ تجارتے — از بے زر آید چہ سازد و از بے پر آید چہ پرواز۔ پروبال شکستہ ام دانہ بند اعتراض وجواب رستہ ام۔ والسلام فقط

محررہ ۱۲۹۸ھ

اب اس ہیچمدانی اور بے مایگی کے اعتراف کے بعد علم وعرفان کے جو بیش بہا موتی پیش کیے گئے ہیں اور جس حسن سلیقہ سے مثنوی کا یہ ہار تیار کیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ ایک جوہر شناس ان چند لڑیوں سے لگا سکتا ہے اصل قصہ بیان کر کے اس کی معنویت کی طرف اب ذہن کو لا رہے ہیں ؎

قصۂ ارباب ظاہر ختم شد — حصۂ اصحاب باطن ماند خود
اہل ظاہر حظ خود برداشتند — حصۂ اہل بطون بگذاشتند
نور دعرفاں ساز حاصل ای پسر — تو مکن بر قصۂ ظاہر نظر!
ہست باطن گو ہر و ظاہر صدف — گیر گوہر کن صدف را برطرف
ظاہر ست انگور باطن ہمچو مل — ہست چون خط ظاہر و باطن چو گل
تا کجا باشی بہ بیجو ظہور — سوئے باطن آ ببین اشراق و نور

Marfat.com

چوں شدی فارغ ز ظاہر داستان آں بوئے باطنش سازم بیان

اس کے بعد مسائل باطن کی گرہیں کھولی ہیں۔ مثلاً "فنا فی اللہ" کے مقام کو بیان کیا ہے ؎

ہمچنیں کوشش نماید در طریق تا کہ در بحر فنا باشد غریق
خویشتن را چوں فنائی اللہ کند پس شود واصل بآں ذات احد
یسمع بی یبصر بی می شود یبطش بی یبصر بی می شود
قول او قول الٰہ ذو الجلال فعل او فعل خدائے ہمثال

شرک کے پیدا ہونے کی وجہ بیان کی ہے ؎

غیر را خالق تصور می کند پس زجہل خویش مشرک می شود
زانکہ در ہر چیز نورش لامع است اندراں نور ایں شہر بس طامع است
نور او اصل ست و عکسش نور شاں پس در اصل و عکس نکند فرق آں
عکس را ہم اصل نماید خیال پس بیفتد در وبال و در نکال

وغیرہ وغیرہ ۔

عربی کی ابتدائی تعلیم، جیسا کہ گذر چکا ۔ وطن ہی میں ہوئی تھی ۔ پھر آخر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور پانچ سال یہاں مشغول تعلیم رہ کر شروع ۱۳۰۱ھ میں فراغت حاصل کی ۔ اسوقت عمر شریف ۱۹، ۲۰ برس کے لگ بھگ تھی ۔

Marfat.com

طالبِ علمانہ حیثیت

زمانہ طالب علمی میں عام طلبہ اور عزیز و اقارب سے الگ تھلگ رہے اگر کتابوں سے کچھ فرصت ملتی تو اپنے استاد خاص مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ (مدرس اوّل دار العلوم دیوبند) کی خدمت فیضدرجت میں جا بیٹھتے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو ایک طرف علم و فضل میں یگانہ تھے۔ اور دوسری طرف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلفائے خاص میں سے تھے۔ ان کی اس جامعیت کی وجہ سے ان کا حلقہ درس "حلقۂ توجہ" بھی ہوتا تھا، اور اسی ذہن و قلب کی ایک ساتھ تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ طلبہ جب علم میں ایک خاص استعداد کی سند حاصل کر چکتے تو کردار و اخلاق اور زہد تقویٰ میں بھی امتیازی شان کے حامل ہوتے تھے ـــــ افسوس کہ آج اکثر و بیشتر دینی درسگاہیں اس جامعیت فیض سے عاری ہیں۔

قصبہ دیوبند میں حکیم الامت کے کچھ رشتہ دار بھی رہتے تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ کھانا گھر کا کھایا کریں البتہ رہائش مدرسہ ہی میں ہو۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے اس کی اجازت چاہی تو تربیت کے رمز آشنا والد نے ڈانٹ کر لکھا:۔

"تم وہاں رشتہ داریاں جتانے گئے ہو یا طالب علمی کرنے؟ خبردار جو کسی عزیز کے پاس آئے گئے" اس تنبیہ کے بعد پھر اس اطاعت شعار فرزند نے پورے ۵ سال تک کسی عزیز کی طرف رخ بھی نہیں کیا اور عام طلباء کی طرح زندگی گذارتے رہے۔ یہاں تک کہ اب اگر کوئی خود ہی میل جول بڑھانا چاہتا تب بھی بے رخی برتتے تھے۔ حتیٰ کہ بعضوں کو غرور کا دھوکہ ہو چلا تھا

آپ ابھی طالب علم ہی تھے۔ مگر بزرگوں کی دوربیں نگاہیں انھیں دھندلکے ہی سے روز روشن کا پتہ لگا رہی تھیں ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی　　　می تافت ستارہ بلندی

چنانچہ جب مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ طلبہ کا امتحان لینے اور ان کو دستار فضیلت سے سرفراز کرنے کے لیے تشریف لائے تو شیخ الہند مولانا محمود حسن رحؒ نے اپنے اس شاگرد کی ذکاوت و ذہانت کی بڑی تعریف کی، جناب ممتحن نے مشکل سوالات کیے اور ان کے برجستہ جواب پاکر مسرور ہوئے۔

آپ کے ذہن کو علوم عقلیہ سے خاص مناسبت تھی، فطرت نے ذہانت و فطانت، حاضر جوابی، طلاقت لسانی کے جواہر سے پوری طرح آراستہ کیا تھا، منطق میں مہارت کا اعتراف یوں فرماتے تھے

میں سچی بات کیوں نہ کہوں کیونکہ نہ میں متواضع ہوں نہ متکبر، جو چیز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کا کیوں انکار کروں۔ اللہ کی دین ہے۔ میرا کوئی کمال نہیں الحمد للہ مجھے منطق میں مہارت

Marfat.com

حاصل ہی۔ اور یہی درحقیقت اس کو کوئی کمال بھی نہیں سمجھتا کیونکہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکت سے یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوگیا ہے کہ۔

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

چنانچہ جب کوئی غیر مذہبی شخص اسلام کے خلاف مناظرہ کے لیے دیوبند میں آتا تو آپ خلوت سے نکل آتے اور مخالف کے ہر دعوے کو باطل ثابت کر دکھاتے ــــ مگر تعریف کی بات تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی ساری منطقی صلاحیت حمایت دین ہی میں صرف کی اور کبھی اس کو بقائے نفس کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔ اس وقت کے مناظروں کے سرتاج مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب حکیم الامت کی فن دانی کے متعلق فرماتے تھے۔

"بڑے سے بڑا مناظر بھی آپ کے آگے ٹھہر نہیں سکتا"

لیکن خود حکیم الامت یہ فرماتے تھے۔

"جتنا شوق مجھے اس زمانہ طالب علمی میں مناظرہ کا تھا اب ان کی مضرتوں کی وجہ سے اتنی ہی نفرت ہے"

ادہر علوم عقلیہ نقلیہ میں مہارت کا یہ عالم کہ اہل فن ان کے مداح اور ادہر تواضع اس درجہ کہ یہ باور کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ آیا نفس موجود بھی تھا؟ سنہ ۱۳۰۰ھ کا واقعہ ہے، خبر ملی کہ دستار بندی و تقسیم اسناد کا جلسہ بڑے شاندار پیمانے پر ہونے والا ہے، اور یہ رسم مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے مقدس ہاتھوں انجام پانے والی ہے۔ اپنے ہم سبقوں

کو جمع کر کے اُستاد خاص مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی :-

"حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی ہو گی، اور سند فراغ دی جائے گی۔ حالانکہ ہم ہرگز اس کے اہل نہیں، یہ تجویز منسوخ فرما دیجئے۔ ورنہ اس میں مدرسہ کی بڑی بدنامی ہو گی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی ہے"

اُستاد کی شفقت کو جوش آیا۔ ان کی آنکھوں کے آگے "شاگرد خاص" کا مستقبل بجلی کی طرح چمک کر گذر گیا، یقین کی کیفیت الفاظ میں ڈھل کر نکل آئی :-

"تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہو گی۔ جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سارا میدان صاف ہے"

دنیا نے دیکھ لیا کہ اُستاذ باکمال کی یہ بشارت حرف حرف صحیح نکلی مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فتویٰ نویسی کا کام بھی اسی زمانہ میں آپ کے سپرد فرما دیا تھا۔ ایک مرتبہ جب نو مشق مفتی نے ایک طویل استفتا کا ویسا ہی مفصل و مکمل جواب لکھ کر اپنے اُستاذ کی خدمت میں پیش کیا تو عارف کامل اُستاذ نے اس پر دستخط کرتے ہوئے فرمایا۔

"معلوم ہوتا ہے تم کو فرصت بہت ہے، ہم تو اس وقت دیکھیں گے

Marfat.com

جب خطوں کا ڈھیر تمھارے سامنے ہوگا اور پھر تم اتنے لمبے لمبے جواب لکھو گے۔"

آیندہ پتہ چلے گا کہ بصیرت یعقوبی کا یہ اشارہ کس قدر صحیح تھا۔

حق تعالیٰ کی بخشش کا ہاتھ جس پر کھل جائے۔ اور جس قدر کھل جائے اس کو کون روک سکتا ہے۔ حکیم الامت کو جہاں اور محاسن ظاہری سے نوازا گیا تھا وہاں خوش الحانی سے بھی پوری طرح سرفراز کیا گیا تھا۔ آپ کی فن قرائت میں مہارت کے ساتھ حسن صورت نے ملکر ایک عجیب دلآویزی پیدا کر دی تھی۔ آپ نے قرارت کی مشق مشہور عالم قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے مکہ معظمہ میں کی، جو عرب کے قاریوں پر بھی اپنے مہارت فن کا سکہ جما چکے تھے، حکیم الامت کی قوت آخذہ کا یہ عالم تھا کہ جب اوپر والی منزل پر شاگرد و استاذ مشق کرتے کراتے ہوتے تو رہرو کے لیے پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ استاد کون ہے اور شاگرد کون؟

حکیم الامت جب قرآن پڑھتے تو حق تعالیٰ کی اُس "تجلی لفظی" کی جھلک دکھائی دیتی تھی جس کی بنا پر کفار مکہ حضرت صدیق اکبر کو باواز بلند قرآن پڑھنے سے روکتے تھے، اور جس کی وجہ سے لوگوں کا دل خواہ مخواہ کلام اللہ کی طرف کھنچتا اور حق کی تلوار کا گھائل ہوتا تھا۔

مولانا عین القضاۃ لکھنوی جیسے ماہر فن نے جب ایک مرتبہ آپ کے پیچھے نماز فجر پڑھی تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ بعد نماز بہت اشتیاق سے ملے اور سامعہ نوازی کی خواہش ظاہر کی۔

آپ کی اثر پذیر طبیعت کا یہ حال تھا کہ دارالعلوم کی حقیقت پر درفضا سے بہت جلد متاثر ہو گئے۔ امیرانہ تکلفات ختم کر دیئے۔ فضولیات سے خود کو الگ کر لیا اور سادہ سی زندگی فقیرانہ روش اختیار فرمالی۔ ایک مرتبہ چھٹیوں میں گھر آئے اور اب جیسا کہ رنگ ڈھنگ ہو چکا تھا، بلا کسی اہتمام کے یونہی رضائی لپیٹ رکھی تھی۔ والد ماجد نے جو امیرانہ انداز کے خوگر تھے ٹوکا کہ میاں تمھیں رضائی اوڑھنا بھی نہیں آتا ؟ ——

خاطر اشرف میں ان فضولیات سے اس درجہ نفرت بیٹھ چکی تھی کہ باوجود سارے ادب و احترام کے بیساختہ کہہ اٹھے کہ اگر آپ کو رضائی اوڑھنا سکھانا تھا تو مجھے مدرسہ دیوبند نہ بھیجتے وہاں تو کسی کو بھی رضائی اوڑھنا نہیں آتا۔ سب ایسے ہی اول جلول رہتے ہیں ——" والد صاحب یہ جواب سن کر دل میں خوش ہوئے۔

حکیم الامت طلبہ کے بناؤ سنگار اور ان کے ادنی چیزوں پر التفات سے بہت نفرت کرتے تھے۔ اور اس کی کس قدر حکیمانہ وجہ بتائی ہے۔ "یہ بناؤ سنگار" اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو علم کا چسکا نہیں لگا"

Marfat.com

افادۂ علمی

تکمیل تعلیم کے بعد اب وقت آتا ہے کہ دارالعلوم سے جو فیوض حاصل کیا تھا اور استاذ خاص کی توجہات نے جو علمی و عملی جامعیت پیدا کردی تھی مدرسہ سے نکل کر اسی فیض اور اسی رنگ کو عام کیا جائے۔

سبزہ کا آغاز ہے۔ جمال ظاہری اور کمال باطنی سے آراستہ ہیں اشاعت دین کے جذبہ سے معمور اور زیور علم سے آراستہ ہیں۔ خود ذات میں بلا کی کشش ہے اور جب زبان فیض ترجمان کھلتی ہے تو پھر اثر اور نفوذ کا کیا پوچھنا ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد   بسا کیں دولت از گفتار خیزد

جس جگہ بیٹھ گئے عامی و عالم، صوفی و ملا سب ہی گھر آئے اور اس نوجوان کے گوناگوں کمالات کے قائل ہو گئے۔

اس مقبولیت و احترام کے ساتھ آپ چودہ ۱۴ برس تک کانپور میں درس و تدریس۔ تصنیف و تالیف اور وعظ گوئی و فتوی نویسی کا کام کرتے رہے اور دیدہ ور استاد کی پیشین گوئی حرف حرف صحیح نکلی کہ جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے، باقی سارا میدان صاف!!

کانپور میں ایک مدرسہ قدیم سے چلا آرہا تھا اور مدرسہ "فیض عام"

کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے صدر مدرس مولانا احمد حسن صاحب، ایک جامع اور خصوصاً ماہر معقولات عالم تھے۔ کسی وجہ سے ناراض ہوکر موصوف نے الگ مدرسہ قائم کیا۔ چونکہ طلبا میں ان کے وقار علمی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس لیے کسی مدرس کو ان کی جانشینی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ حکیم الامت کو اس حال کی خبر نہ تھی، جب کانپور والوں نے یہ خدمت آپ کیلئے پیش کی تو آپ نے اساتذہ اور والد ماجد کی اجازت سے صفر ۱۳۰۱ھ میں (پچیس ۲۵ روپیہ) ماہوار پر یہاں تشریف لے آئے۔ جوان عمر تھے لیکن بہت جلد وہاں کے سارے مدرسین میں آپ کے علم و فضل کا شہرہ ہوگیا۔ خود سابق صدر مدرس بھی آپ سے محبت کرنے لگے۔

حکیم الامت اس سے پہلے کبھی مسند تدریس پر نہ بیٹھے تھے اور یہاں جو پہنچے اونچے درجہ کی کتابیں آپ کے سپرد ہوئیں۔ پہلے پہل طبیعت کچھ گھبرائی۔ لیکن دعاؤں نے سارے مراحل طے کرادیئے اور غیب سے آپ کی ہمت افزائی ہونے لگی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

"احقر نے جب حدیث کا درس شروع کیا تو استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے اس طرح شرف ہوا کہ میرے روبرو ایک جماعت صحیح بخاری پڑھنے والوں کی موجود ہے اور ایک نسخہ بخاری کا میرے سامنے ہے جسمیں دیکھکر درس دیتا ہوں اور میرے برابر میں حضرت استاذی الممدوح تشریف رکھتے ہیں اور غالباً آپ کے پاس بھی ایک نسخہ بخاری شریف کا ہے

Marfat.com

اور میں جو بیان کرتا ہوں مولانا اس کی تقریر فرماتے ہیں "

اسی طرح تفسیر کلام پاک سے مناسبت کا واقعہ سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

ایک مقام ہے، جیسے کانپور میں جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب بانی مدرسہ جامع العلوم کانپور کا چھوٹا مطبع ——— وہاں کوئیں کے پاس حضرت ابن عباس رضؓ کھڑے ہیں اور میں قریب ہوں۔ اس کے بعد مجھکو مناسبت تفسیر کا ظن غالب ہو گیا"۔

اب معلوم ہو گیا کہ قدرت الٰہی خود اس ہستی سے علوم کے دریا بہانا چاہتی تھی۔ پھر کیا تعجب ہے اگر ایک طرف آپ کے درس و تدریس نے طلبہ کو اور دوسری طرف آپ کی تقریر و وعظ نے اہل کانپور کو آپ کا فریفتہ بنا دیا ہو، اور یہ سب کچھ کیا کئی برسوں میں ہوا، نہیں صرف تین چار مہینوں میں! اُس بندہ نواز کو نوازتے کیا دیر لگتی ہے، صرف اس کی چشم کرم کا پھر جانا ہے۔ پھر دیکھئے کہ آن کی آن میں ایک مشت خاک کیا سے کیا ہو جاتی ہے!

مدرسہ کی مجلس منتظمہ نے حکیم الامت کی اس مقبولیت سے مالی فائدہ اُٹھانا چاہا اور آپ سے چندہ کی اپیل کی خواہش کی گئی، حکیم الامت اس قسم کے چندوں کو بے برکتی کا موجب اور ان کے لینے کو غیرت دینی کے خلاف اور ناجائز سمجھتے تھے اس لیے اراکین مدرسہ کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، حضرت نے اس کی اطلاع پا کر از خود استعفا پیش کر دیا اور باوجود اصرار کے پھر اس مدرسہ میں رہنا گوارا

Marfat.com

نہ فرمایا :-

مدرسہ سے سبکدوش ہو کر ارادہ تو یہ تھا کہ وطن لوٹ جائیں مگر گھر جانے سے پہلے خیال آیا کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے۔ نہ جانے پھر کب اس کا موقع ملے۔ چنانچہ آپ خانوادۂ نقشبندیہ کے اس قطب وقت کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اِدھر کانپور چھوٹا اور اُدھر اہل کانپور کو اِس نقصان عظیم نے مضطرب کر دیا۔ عبدالرحمٰن خاں صاحب اور کفایت اللہ صاحب مرحوم نے اس خیال سے کہ ایسی ہستی جو معقولات و منقولات کی جامع ہو نایاب ہے، اپنی طرف سے ۲۵ روپیہ کی سبیل نکالی۔ اور جب آپ گنج مراد آباد سے گھر لوٹ رہے تھے تو آپ کو کانپور ہی میں روک لیا اور اس درجہ مجبور کیا کہ ماننا ہی پڑا۔ اب آپ جامع مسجد محلہ ٹپکاپور میں درس دینے لگے اور اس طرح ایک نئے مدرسہ کی بنا پڑی جس کا نام خود آپ نے مسجد کی مناسبت سے "جامع العلوم" رکھا۔ جو اب تک قائم ہے۔ سچ ہے ؎

رند جو ظرف اٹھا لے وہی ساغر بن جائے　　جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی میخانہ بنے

اب تو آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں اس درجہ گھر کر گئی اور ان کے خلوص نے آپ کو اس قدر متاثر کیا کہ آپ کے ذہن سے وطن کی یاد محو ہو گئی۔ دن گذرتے گئے آپ کی تعلیم و تلقین سے سیکڑوں کے ذہن و قلب میں تعلیمات اسلامی کی عظمت و حقانیت جم گئی اور وہ اتباع سنت میں حبیبت ہو گئے۔ مگر ہمیں اس عالم میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ کا کام صرف اللہ ہی کے

Marfat.com

لیئے ہونا چاہیئے اس کے لیئے کوئی معاوضہ لینا نامناسب ہے۔ چنانچہ قصد فرما لیا کہ طبابت کو ذریعہ معاش بنایا جائے۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی خدمت میں پہونچے تاکہ اس فن میں مہارت حاصل ہو۔ لیکن یہاں پندرہ دن بھی رہنے نہ پائے تھے کہ کانپوری حضرات آئے اور اصرار کرکے پھر اپنے وطن لے گئے اور اس بازگشت پر بڑی خوشیاں منائیں ؎[1]

عاد الربیع لروضی بعد ماذھبا | وعمّر اللہ ربعی بعد ماخربا
(میرے چمن میں بہار جاکر پھر آگئی | اور خدا نے میرے گھر کو ویرانی کے بعد پھر آباد کر دیا)
ونبت الارض خضراً بعد ما یبست | والبرق عاد سناہ بعد ما احتجبا
(زمین خشک ہوکر پھر سرسبز ہو گئی | اور بجلی کی چمک چھپ کر پھر نکلی)
وفجر العلم عیناً بعد ما نضبا | واشرق الفضل شمساً بعد ما غربا
(اور علم کا چشمہ سوکھ کر پھر رواں ہوا | اور علم و فضل کا آفتاب ڈوب کر پھر نکل آیا)

مرشد برحق حضرت حاجی صاحب نے بھی اس بازگشت پر بڑی مسرت ظاہر کی، تحریر فرمایا :-

"آپ کی طبابت کے شغل کو ترک کرکے پھر کانپور تشریف لاکر دینیات کے شغل کا حال معلوم ہوا۔ بہت خوشی ہوئی، اللہ جل جلالہٗ آپ کی اس خدمت میں برکت دیکر آپ کے برکات و فیض سے تمام مسلمانوں کو مستفیض و مستفید کرے۔ میں نے قبل ہی آپ کو مشورہ دیا تھا کہ دین

---

[1] از منظومات حضرت سیدی مدظلہٗ العالی۔

کو خوب مضبوط پکڑنا چاہیئے ، دنیا خود ہی اچھی صورت میں خدمت
کو حاضر رہیگی ، بہر کیف آپ لوگ علماء و ورثۃ الانبیاء ہیں آپ لوگوں
کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیئے پیدا کر کے بڑے درجے
عنایت کئے ہیں پس اپنے مقصود کا خیال سب پر مقدم رکھنا چاہیئے

(از مکتوبات امدادیہ ۳۳ مورخہ ۱۰ ربیع ۱۳۰۷ھ)

شیخ کے ان ارشادات اور ہمت افزائیوں کے بعد آپ نے پورے (۱۴)
برس درس و تدریس میں گذار دیئے - اور پھر خود شیخ ہی کی ایما سے آخر صفر ۱۳۱۵ھ
میں کانپور کا تعلق ترک کر کے تھانہ بھون میں مستقل سکونت اختیار کر لی - اس
مراجعت پر حضرت شیخ نے بڑا اطمینان ظاہر کیا اور گویا آپ کے فیض کے بڑھنے
اور پھیلنے کی پیشین گوئی کی ، تحریر فرمایا -

"بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لیگئے - امید ہے کہ خلائق
کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے
مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں - میں ہر وقت آپ کے حال میں
دعا کرتا ہوں "

(از مکتوبات امدادیہ ۳۶) مورخہ ۱۲ ربیع ۱۳۱۵ھ

حکیم الامت کو ابتدا سے لیکر آخر عمر تک طلبہ سے خاص محبت رہی اور
ان کا خاص لحاظ فرماتے رہے - خود اپنے آپ کو ہمیشہ طالب علم سمجھتے رہے
فرمایا کرتے تھے -

مجھے پیر جیوں والی درویشی نہیں آتی ، میں تو ایک طالب علم ہوں

Marfat.com

مجھ سے تو قرآن وحدیث کی باتیں پوچھی جائیں۔ مجھے تو سیدھا سادا
قرآن وحدیث ہی آتا ہے اور اسی کو اصل درویشی سمجھتا ہوں۔"
اور یہ بھی فرماتے تھے :-
"دنیا سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے کیونکہ انہیں کی بدولت انتظام
دین قایم ہے۔"

علماء کی اس اہمیت کے پیش نظر آپ کو اس کا بڑا خیال رہتا تھا کہ علم دین سیکھنے والوں کے وقار کی بہر طور حفاظت ہو۔ اور آیندہ ان کو جس منصب جلیل پر فائز ہونا ہے اس کے مدِنظر ابتدا ہی سے ان کے حوصلوں کو بلند رکھا جائے۔ چنانچہ آپ طلبہ کو ہر اس چیز سے روکتے تھے جس سے ان کا یہ جوہر پائمال ہو، قدیم رواج کے مطابق طلبہ کو کبھی کسی کے گھر جا کر کھانا لانے یا کسی کے ہاں فقیروں اور محتاجوں کی طرح دعوت کھانے کی اجازت نہ دیتے تھے، خانگی کام نہ خود لیتے تھے اور نہ کسی اور استاذ کو اس کی اجازت تھی، کسی غیر شخص کی مجال نہ تھی کہ طلبہ کو کسی غلطی پر براہِ راست تنبیہ کر سکے، اگر کوئی شخص اس قسم کی حرکت کر بیٹھتا تو آپ اس کو ہرگز گوارا نہ فرماتے بلکہ اس پر سخت گرفت کر کے آیندہ کیلئے جتا دیتے کہ طلبہ کی عظمت اور ان کا وقار اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہر کس و ناکس ان پر گرفت کرے جو کوئی شکایت ہو وہ مدرسین کے علم میں لائی جائے تاکہ وہ خود اس پر مناسب سزا تجویز کریں یا کوئی اور اصلاحی قدم اٹھائیں۔

Marfat.com

اُصولِ تعلیم

حکیم الامتؒ ۱۴ سال کی طویل مدت تک کانپور کے مدرسہ "جامع العلوم" میں درس دیتے رہے اور اس عرصہ میں آپ نے بیسیوں اہل کمال پیدا کئے جنھوں نے اقطاع ہند میں پھیل کر علم کا نور پھیلایا، بنظر اختصار ان میں سے صرف چند کے نام درج ذیل ہیں۔

مولوی محمد اسحٰق صاحب بردوانی جنھوں نے جامعیت علوم کی بنا پر مدرسہ کانپور میں اپنے استاذ حکیم الامت کی جانشینی کا شرف پایا اور پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پہنچکر علم دین کی شمع جلائی۔

مولوی احمد علی صاحبؒ نے فقہ میں ید طولیٰ حاصل کیا اور فتح پور اور ضلع بارہ بنکی میں رہکر اپنے اس فیض خاص کو عام کیا۔

مولوی فضل حق صاحبؒ ساکن بارہ بنکی ضلع الہ آباد جنھوں نے "مشتناۃ بالتکریر" کی اعلیٰ تقریر لکھکر علوم فلسفہ سے مناسبت خاص کا ثبوت فراہم کیا اور ایک عرصہ تک قنوج میں مسند درس کو زینت بخشی۔

مولوی حکیم محمد مصطفٰے صاحب بجنوریؒ جن کو عربی ادب اور معقولات میں ایسی مہارت حاصل تھی کہ حکیم الامت جب وعظ کرتے ہوتے تو آپ عربی میں اس کے نکات قلمبند فرماتے اور پھر اس کو اردو میں مفصل لکھتے

Marfat.com

الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ "(جو تعلیم یافتہ طبقہ کے شبہات کے رد میں لاجواب کتاب ہے) کی ایسی شرح لکھی جس سے آپ کا معقولات میں تبحر ظاہر و عیاں ہے۔

مولوی سید اسحٰق علی صاحب کانپوری جو الہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔

مولوی ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ جو حکیم الامتؒ کے خواہر زادے بھی ہیں اور جن کی استعداد علمی پر حکیم الامتؒ کو اعتماد کلی تھا اسی لئے "اعلاء السنن" کا دقیق علمی کام آپ ہی کے ذریعہ کروایا گیا اور اس کی تکمیل پر اظہار مسرت بھی ہوا۔ یہ گیارہ جلدیں مولوی صاحب ممدوح کی تفقہ در حدیث میں مہارت و نظر دقیق کا مظہر ہیں آپ ہندوستان و پاکستان کے گنے چنے علماء میں سے ہیں اور آجکل ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) میں قیام فرماکر مسلمانوں کو مستفید کر رہے ہیں۔

غرض ایسے استاذ کامل کے اصول تعلیمی جس کی آغوش تدریس سے ایسے ایسے علماء و فضلاء نکلے۔ اس قابل ہیں کہ ان کا بطور خاص ذکر کیا جائے، ان کو سمجھا جائے اور ان پر عمل کرکے فائدہ اٹھایا جائے۔

(۱) حکیم الامتؒ اس بات کے قائل تھے کہ استاذ جو بھی مضمون پڑھائے۔ اس میں خود زیادہ مشقت اٹھائے اور اس کو آسان ترین صورت میں شاگردوں کے آگے رکھدے — گو استاد پر کوئی معمولی بار نہیں۔ مگر جذبۂ شفقت اس بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے اور سچ

تو یہ ہے کہ جس میں یہ جذبہ نہ ہو وہ اس مسند تدریس پر کیوں آئے ؟

(۲) یہ بھی آپ کا اصول تھا کہ پیچیدہ مقام کو پہلے بہت ہی آسان پیرایہ میں سمجھایا جائے اور جب بات ذہن نشین ہو جائے تو اس مسئلہ کا اصطلاحی تعارف ہو۔ چنانچہ آپ کے ایک شاگرد مولوی فضل حق صاحبؒ (جن کا ذکر اوپر آچکا) جب صدرا کے مشہور مقام "مثناۃ بالتکریر"[1] پر پہونچے تو آپ نے پہلے مسئلہ کا نام لئے بغیر اس کی تشریح خوب ذہن نشین کرا دی اور بعد میں فرمادیا: "یہ وہی مقام ہے جس کو مثناۃ بالتکریر کہتے ہیں" اس پر وہ دنگ رہ گئے کہ ہم تو اس مسئلہ سے بہت گھبراتے تھے۔ مگر یہ تو کچھ مشکل نہ نکلا —— واقعہ یہ ہے کہ رہرو کو اگر منزل کی دوری و دشواری کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو اس کی کم ہمت بیٹھ جاتی ہے ورنہ پھر کمزور سے کمزور بھی چل نکلتا ہے اور منزل کو پا لیتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی امر ہے۔ اور اساتذہ خواہ کوئی مضمون پڑھاتے ہوں ان کا نفسیات سے واقف ہونا ناگزیر ہے، اسی واقفیت و عدم واقفیت پر ان کی کامیابی و ناکامی اور طلبا کی پختگی و خامی کا مدار ہے!!

(۳) آپ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ طلبہ کے آگے ضرورت سے زیادہ تقریر کی جائے اور محض اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے اصل مطلب کو الجھا دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ماتحت مدرسین پر اس نقطۂ نظر

---

[1] یہ الجزء الذی لایتجزیٰ کے ابطال پر ریاضی کے قاعدہ سے استدلال ہے۔

Marfat.com

سے کڑی نگرانی رکھتے تھے۔

(۴) ہفتہ داری تقریروں اور مباحثوں سے بھی آپ کو اختلاف تھا۔ کیونکہ اس کے باعث طلبہ کی توجہ اسی ایک موضوع تقریر و بحث کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور اصل درس سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا نکتہ ہے جس کی حقیقت کو آج بھی جانچا جا سکتا ہے، کالج اور جامعات کے وہ طلبا جو تقریر و مناظروں کے پختہ کار ہوتے ہیں۔ وہ امتحانوں میں کیا درجہ پاتے ہیں کیا اس کی وجہ یہی نہیں جو حکیم الامت نے بتلائی؟ اسی لئے آپ فرماتے تھے کہ "جب نصاب کی تکمیل اچھی طرح ہو جائے تو پھر تقریر و مناظرہ سب کچھ آجاتا ہے۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے خامی رہ جاتی ہے" ـــــ اس جملہ زریں کے پہلے حصہ کا ثبوت خود صاحب قول رح کی شخصیت ہے اور اس کے دوسرے ٹکڑے کے ثبوت میں آجکل کے وہ سب طلبا آجاتے ہیں جو اس دور میں لیڈری کے جراثیم کو نشو و نما دیتے ہیں۔

(۵) طلبہ میں استعداد علمی پیدا ہونے کے لئے آپ ان تین باتوں کو لازمی تصور فرماتے تھے۔

(الف) وہ آیندہ سبق کا مطالعہ کر کے معلومات اور مجہولات میں تمیز پیدا کرے۔

(ب) پھر جب استاد سمجھانے لگے تو بلا سمجھے آگے نہ بڑھے۔

(ج) جب سمجھ چکے تو خود بھی اسی مطلب و مفہوم کی تقریر کرے۔

Marfat.com

تین باتیں واجب ہیں، ایک بات درجہ استحبابی کی ہے وہ یہ کہ کچھ آموختہ روزانہ پڑھلیا کریں ۔۔ اب یاد رہے نہ رہے استعداد انشاء اللہ ضرور پیدا ہوجائیگی۔

یہ وہ اصول ہیں جس کے ذریعہ طالب علم کو ۳۳ فیصدی والی کامیابی نہیں بلکہ درجہ اوّل کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ۳۳ فیصدی والی کامیابی تو انگریز کے طرز تعلیم کی آوردہ ہے، ورنہ ہمارے قدیم نظام تعلیم میں اس درجہ کی کامیابی کوئی کامیابی ہی نہ تھی، کامیاب وہی ہوتا تھا جو پڑھی ہوئی کتاب کو پڑھا بھی سکے۔

(۴) یہ بھی آپ کا اصول تھا کہ کسی طالب علم کو اس کی مناسبت یا دلچسپی کیخلاف علوم سیکھنے پر مجبور نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کو اس وجہ سے محروم سند کیا جائے مثلاً اگر کوئی معقولات نہ پڑھے اور محض دینیات پڑھے تو اس کو بھی سند ضرور دیجائے اور سند میں بجائے "درسیات" کے جو معقولات اور دینیات کی جملہ کتابوں پر حاوی اصطلاح ہے) صرف "دینیات" لکھا جائے ۔۔ حکیم الامت کا خاص وصف یہ ہے کہ کبھی نفسیاتی پہلو کو نظر انداز نہیں فرماتے تھے بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ امور تک بھی آپ کی نظر پہونچ جاتی تھی۔

ہمارا قدیم نظام تعلیم اور انگریزوں کا مروجہ جدید نظام تعلیم دونوں ہی اس نقطۂ نظر سے قابل ترمیم اور لائق اصلاح ہیں ۔۔ نہ ہر طالب علم کیلئے تسلیم وشمس بازغہ اور حدیث و قرآن کی ایک ساتھ تعلیم ضروری و مناسب حال ہے اور نہ ہر ایک کے لئے تاریخ و جغرافیہ، ریاضی، سائنس اور انگریزی و اردو ادب کا لازم قرین عقل ہے

Marfat.com

اکابرِ عصر کی خدمت میں

اپنے علاج کے لیے کسی ایک طبیب ہی سے متعلق ہو رہنا عین مصلحت ہے ع

یک در گیر و محکم گیر

کیونکہ ہر طبیب کا طریق علاج ایک نہیں اور وہی طبیب جس سے ہمیشہ کا ربط ہے، تمہارا مزاج داں ہے۔ اسی کو تمہارے مرض کے گھٹاؤ بڑھاؤ کا صحیح علم ہے وہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے کونسی دوا اور کونسی غذا صحت بخش ہے ___ لیکن اگر اس نے عام روزمرہ کی غذا میں کسی پرہیز کا پابند نہیں رکھا ہے تو کیا حرج ہے کہ کبھی تم کسی اور طبیب کے گھر چائے پی لو یا کسی اور معالج کے ہاں کھانا کھالو، کیونکہ بہرحال وہ بھی طبیب ہے، اس کے ہاں کی غذا بھی طبی مصالح سے خالی نہ ہوگی - اور اس سے تمہاری عام صحت پر کچھ اچھا ہی اثر پڑے گا - ع

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم

حکیم الامتؒ، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے مرید تھے اور پختہ مرید لیکن آپ کا یہ تعلق اور بزرگانِ عصر کی تعلیم یا ان کی خدمت میں آپ کی حاضری سے مانع نہ تھا، اسی وجہ سے

Marfat.com

آپ اپنے وقت کے تقریباً اکثر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور ان کی شفقتوں۔ دعاؤں اور توجہات سے فائدہ اٹھایا ہے ؎

زہر خرمنے خوشۂ یافتم!

خود بارہا فرمایا کرتے تھے:۔

"نہ کبھی طالب علمی میں میں نے محنت کی نہ اس طریق میں کیسی مجاہدات اور ریاضیات کئے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، سب اپنے حضرات اساتذہ اور مشائخین کی دعا و توجہ اور میری طرف سے غایت درجہ ادب و عقیدت کا ثمرہ ہے"

چنانچہ آپ مولانا رفیع الدین صاحب مجددی رح مہتمم مدرسہ دیوبند کے حلقہ توجہ میں شریک رہے ہیں اور فرماتے تھے کہ اس قدر اثر محسوس ہوتا تھا جیسے بالکل پاک صاف ہو گیا ہوں ۔۔۔ مولانا رحمتہ اللہ کے ساتھ آپ نے سرہند پہنچکر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار کی زیارت کی اور واپسی میں ریاست پٹیالہ میں ان مقامات کی بھی زیارت کا شرف پایا، جہاں بربنائے کشف بعض انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ مولانا ممدوح کو آپ سے اس درجہ محبت تھی کہ مدتوں آپ سے اپنی مسجد میں امامت کروائی۔

خانوادۂ نقشبندیہ کے دو چشم و چراغ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ اور شاہ ابو احمد بھوپالی رح بھی تھے۔ آپ ان بزرگوں کی زیارت سے بھی مستفیض ہوئے ہیں اور ان کے خصوصی برتاؤ سے ممتاز رہے ہیں۔

Marfat.com

قطب وقت شاہ فضل الرحمٰن قدس سرہٗ سے تو اس درجہ محبت بڑھی کہ انھوں نے آپ کو اپنے وہ احوال سنائے جو اوروں سے چھپاتے تھے مثلاً فرمایا "کہنے کی تو بات نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کر لیا ۔۔۔ بھائی جنت کا مزہ برحق، کوثر کا مزہ برحق، لیکن نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں ۔ بھائی ہم تو قبر میں بھی بس نماز ہی پڑھا کریں گے ۔ دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دیں کہ بس نماز پڑھے جائیں"۔

کسی عقد کی شرکت کے سلسلہ میں پیلی بھیت جانا ہوا، یہاں ایک مشہور بزرگ شاہ محمد شیر خان صاحبؒ تھے، آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا چاہی کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے، اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو رگڑو، جب آپ اس حکم کی تعمیل کر چکے تو پوچھا کہ کچھ گرمی پیدا ہوئی؟ عرض کیا کہ ہوئی ۔۔۔ فرمایا بس اسی طرح قلب کو رگڑتے جاؤ ۔ انشاء اللہ محبت کی گرمی پیدا ہو جائے گی ۔

حافظ غلام مرتضیٰ صاحبؒ مجذوب پانی پتی جن کی دعاؤں سے آپ پیدا ہوئے، ان مجذوب صاحب کے ایک صاحبزادے پیر احمد صاحبؒ بڑے صاحب کشف اور صاحب حال وقال بزرگ تھے، ان کو حکیم الامتؒ سے اس درجہ محبت تھی کہ جب اپنے مریدین کی دعوت پر تھانہ بھون تشریف لاتے تو غایت شفقت سے خود جا کر ملتے ۔ ایک مرتبہ ادھر یہ

Marfat.com

گھر سے نکلے اور ادھر حکیم الامت آپ کی زیارت کے لیے خود بھی اپنے گھر سے چلے تو پیر صاحب تھوڑی دور چلکر اپنے گھر لوٹ گئے کہ اب تو وہ خود ہی آرہے ہیں۔ کشف ہوگیا!

آپ حافظ تفضل حسین صاحب ساکن بگھرہ ضلع مظفر نگر اور حافظ احمد حسین صاحب شاہجہانپوری کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ہیں اور ان کی دعاؤں اور محبتوں سے شادکام رہے ہیں۔ حافظ صاحب شاہجہانپوری نے ایک مرتبہ کسی کے لیے بد دعا کی اور وہ شخص دفعتاً مر گیا تو حافظ صاحب ممدوح نے پریشان ہوکر آپ سے تحریراً دریافت کیا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا:۔

اس کا جواب آپ نے بہت جامع اور تشفی بخش دیا، اس سے حافظ صاحب کے کمال تقوی کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی عیاں ہے کہ ان کی نظر میں آپ کی کیا وقعت تھی!

صوفی شاہ سلیمان صاحب لاجپوری، ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں خود ان بزرگ نے آپ سے کئی بار ملاقات فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ راندیر سے سورت جا رہے تھے اور صوفی صاحب سورت سے راندیر، راستہ میں ایک پل پر دونوں کی ملاقات ہوئی تو صوفی صاحب راندیر پہنچکر دیر تک ایک مسجد میں بیٹھے روتے رہے اور کسی کے پوچھنے پر حکیم الامت کا نام لے کر کہا "نہ جانے آنکھوں سے کیا کر گئے"!

ایک سلسلہ سفر میں مولانا غلام محمد صاحب دین پوری۔ مولانا

Marfat.com

تاج محمدؒ صاحب امروٹی اور پیر جھنڈا صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ (جو سندھ کے مشہور مشائخ ہیں) سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی اور سب نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ پیر جھنڈا صاحبؒ نے ایک قیمتی خرقہ بھی عطا فرمایا اور اپنے مریدین کو وصیت فرمائی کہ جس امر میں اختلاف ہو آپ ہی سے رجوع کریں ـــــ مولانا تاج محمدؒ صاحبؒ نے اپنے ایک مرید غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر اسکول چاکیان شہزادہ کوٹ (ضلع لاڑکانہ سندھ) کے خط میں حکیم الامت سے متعلق یہ رائے تحریر فرمائی :۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب چونکہ اہل حق ہیں، ان کی محبت حق تعالیٰ جل شانہ کی محبت ہے۔"

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے آج کا ہر مسلمان واقف ہے۔ اور سیاسیات میں شیخ الہند اور حکیم الامت کی رائے میں جو اختلاف تھا وہ بھی آشکار ہے۔ اس کے باوجود شیخ الہند آپ کا اس درجہ احترام فرماتے تھے کہ "سراپا فضل و کمال" اور "معدن حسنات و خیرات" کے القاب سے مخاطب فرماتے تھے ـــــ اسی طرح جب بعض بدخواہوں نے اختلاف رائے کی وجہ سے شیخ الہند کو آپ سے برگشتہ کرانا چاہا تو مولاناؒ نے جواب دیا :۔

"افسوس تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا (حکیم الامت نے ازراہ تواضع وہ الفاظ نہ بتلائے نہیں سمجھتا ہوں)

ہیں جو کچھ کر رہا ہوں کیا مجھ پر کوئی وحی آتی ہے؟ میری ایک رائے ہے اور انکی ایک رائے اس میں اعتراض و شکایت کی کیا بات ہے"

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی سے دنیائے اسلام واقف ہے اہل دل حضرات کے پاس آپ مسلمہ طور پر قطب الارشاد تھے حکیم الامت نے پہلے آپ ہی سے بیعت کی درخواست کی تھی اس لئے تا آخر حیات آپکے ساتھ شیخ ہی کا سا سلوک رکھا آپکی عقیدت و محبت کا اندازہ آپکے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ فرماتے تھے میں نے ایسا جامع ظاہر و باطن بزرگ کوئی نہیں دیکھا اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی ہے۔ اور مولاناؒ کے ساتھ غیر استدلالی دلائل سوچنا بھی خلاف ادب سا معلوم ہوتا ہے۔ قیام تھانہ بھون کے زمانہ میں حکیم الامت کے مواعظ و مشاغل کا حال سنکر آپ بہت خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے "یہ سب کچھ ہے مگر مجھے تو پوری خوشی اس وقت ہوگی جب کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی وہاں جمع ہونے لگیں"

چنانچہ قطب الارشاد کی یہ دعا بھی پوری ہوئی اور خانقاہ تھانہ بھون اللہ اللہ کرنے والوں کا مرجع بن گئی۔

اسی دور کے ایک اور بزرگ مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری ہیں جو حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اعظم اور علم و عمل میں اپنی آپ نظیر تھے۔ مولانا تھانویؒ کے متعلق فرماتے تھے "مجھکو اشرف سے اس وقت سے محبت ہے جس وقت ان کو خبر بھی نہ تھی"۔ آپکے مواعظ کے متعلق یہ رائے رکھتے تھے :-

"انکے بیان میں انگلی رکھنے کی گنجایش نہیں انکے ہوتے کسی کا وعظ کہنا منہ چڑانا ہے"

بعض حاسدوں نے فریقین کے تعلق کو خراب کرنا چاہا اور جھوٹی روایات خدمت خلیل میں پہنچائیں، جب حکیم الامت کو اس کی خبر ہوئی تو صفائی کے لئے ایک عریضہ لکھا اور

Marfat.com

حقیقت حال ظاہر کردی، جواب آیا۔

"نہ معلوم لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے کہ غلط روایتیں پہنچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھلاتے ہیں مجھ ناچیز کو جو تعلق محبت پہلے تھی وہی عقیدت و محبت بحمد اللہ موجود ہے۔

آن نیست کہ حافظ را مہرت رود از خاطر — آن زمہدہ پیشین تا روز پسین باشد

انکے علاوہ آپ نے اور بزرگان عصر سے بھی ملاقاتیں کیں اور ان کے لطف و کرم کو اپنی جانب مبذول کر دیا۔ مثلاً مولانا عبدالحی رح فرنگی محلی، مولانا محمد نعیم رح فرنگی محلی اور مولانا خلیل پاشا رح مکی (مقام مکہ معظمہ) وغیرہ کو اپنے علم و اخلاص سے متاثر کیا اور سب کے دل میں جگہ حاصل کی اہل حق میں یہ مقبولیت ایک عطیہ ربانی ہے۔!

مختلف بزرگان دین کا اور خصوصاً اپنے شفیق اساتذہ کے کمالات علمی و عملی کا تذکرہ ہوتا تو آپ پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری رہتی اور دیر تک یہ حال قائم رہتا، پھر فرماتے ؎

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم — اذا جمعتنا یا جریر المجامع

آپ بزرگوں کے تذکرہ کو اس درجہ نافع سمجھتے تھے کہ "نزہۃ البساتین" کے نام سے ایک ہزار حکایات خود آپ نے جمع کر کے شائع کر دائے اور بہت وثوق سے فرماتے تھے۔

"یہ حضرات عشاق تھے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں محبت الٰہی پیدا نہ ہو"

شیخ دوراں سے تعلق اور حج بیت اللہ

گذر چکا کہ حکیم الامت کی پیدائش ایک مجذوب کامل کی دعاؤں کا نتیجہ تھی اور انہی بزرگ نے آپ کا نام "اشرف علی" رکھا تھا اور آخر وقت تک اپنی محبت و توجہ سے نوازتے رہے تھے، ادھر مولانا فتح محمد صاحب رح کی صحبتیں اور عنایتیں بھی شامل حال تھیں، یہی وجہ ہے کہ غیر شعوری طور پر آپ میں عشق کی جلوہ آرائیاں پائی جاتی تھیں، ایک مرتبہ قطب ارشاد حضرت گنگوہی رح کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تو آپ ایک ہی نظر میں گھائل ہو گئے، شوق سے مصافحہ کے لیئے آگے بڑھے، لیکن جوش نیازمندی نے بے قابو کر دیا تھا۔ پاؤں بے اختیار پھسل پڑا۔ اور حقیقتاً پاؤں کیا پھسلا دل ہاتھ سے نکل گیا ؎

دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا ‌‌ ‌ دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

شیخ گنگوہی رح نے تھام لیا —— گو بیعت اور اس کی حقیقت سے ناآشنا تھے مگر کشش اس بلا کی ہوئی کہ بیعت کی درخواست پیش کر دی۔ حضرت نے دوران تعلیم اس کو مناسب نہ سمجھا اور انکار فرما دیا۔ لیکن خاطر اشرف میں یہ خیال بصورت حسرت نمو پاتا رہا۔ اور جب ۱۲۹۹ھ میں مولانا گنگوہی رح عازم حج ہوئے تو خود اکھٹے بیعت کے لئے شیخ دوران حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کی خدمت میں

ایک عریضہ گزرانا اور درخواست کی کہ آپ مولانا سے فرما دیں کہ مجھ کو بیعت کرلیں ۔۔۔" نہ جانے دونوں عرفا میں کیا راز و نیاز رہا، بہ ظاہر یہی ہوا کہ حضرت حاجی صاحب رح نے اس عریضہ کے جواب میں خود ہی بیعت فرمالیا۔ یہ بھی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے ؂

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

اس وقت آپ کی عمر ۱۹ برس کی تھی۔

حضرت حاجی صاحب نے جب ہندوستان کو خیر باد کہا ہے۔ تو ابھی مولانا تھانوی کی ولادت بھی نہ ہوئی تھی لیکن سچ یہ ہے کہ جب بصیرت کی آنکھ کھل جاتی ہے تو زمان و مکان کے سارے قیود اور حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نادیدہ عاشق صادق اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی زبانی اس حقیقت کو سنئے فرماتے ہیں۔

"زندہ اور چلتے پھرتے لوگوں کی طرح روحوں کے بھی جان ہوتی ہے۔ مومنین خواہ کبھی آپس میں نہ ملے ہوں اور نہ ان میں کوئی تعارف ہو، اور نہ باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔ لیکن وہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور خدا کی روح کے وسیلہ سے باتیں کرتے ہیں خواہ وہ ایک دوسرے سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں"[1]

غرض عارف باللہ شیخ العرب والعجم رح نے تھانہ بھون اُس دور افتادہ

---

[1] دیکھو "ورثہ تابعین" مؤلفہ دارالمصنفین

کی جھلک مکہ معظمہ میں بیٹھے بیٹھے دیکھ لی۔ اور آپ کے والد ماجد کو لکھ بھیجا "تم حج کو آؤ اور جب آؤ تو اپنے لڑکے کو لیتے آؤ۔"

یہ اس وقت کا ذکر ہے جبکہ مولانا گنگوہیؒ کی کشش تو تھی ہی کچھ غیب سے اس کے سامان یوں پیدا ہوئے کہ مدرسہ دیوبند کی طرف سے تجارت کی ایک کمپنی قایم کی گئی اس میں مولانا تھانویؒ کے والد ماجد نے تین حصص پانچ پانچ سو کے خریدے، ایک اپنے نام سے اور دو اپنے دونوں صاحبزادوں کے نام سے لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد کسی وجہ سے ان حصص کی رقم واپس کرلی، اس پر آپ نے تحریراً پوچھا "یہ پانچ سو روپیہ جو آپ نے میرے نام سے جمع کیے تھے اور اب واپس لیے ہیں میری ملک ہیں یا آپ کی" جواب آیا: "ابھی تک تو یہ رقم میری ہی ملک تھی اور تمھارا نام مصلحتہً درج کردیا گیا تھا۔ لیکن اب میں اس رقم کو در اصل تمھاری ہی ملک قرار دیتا ہوں" اس پر فرزند سعید نے عرض کی: "پھر اس رقم کی زکوٰۃ بھی میرے ذمہ واجب ہے اور اب حج بھی مجھ پر فرض ہوگیا" پدر بزرگوار نے ادائی زکوٰۃ کے لیے تو فوراً روپیہ بھجوادیا۔ البتہ حج کے متعلق لکھا کہ اس سال تمھاری چھوٹی بہن کے عقد سے فراغت ہو تو آیندہ سال حج کا قصد ہے — اس وقت تم بھی چلے چلنا" — آپ نے اس موقع پر فرزندانہ ناز سے کام لیا اور لکھا: "آپ مجھے یہ لکھ کر دیجیے کہ تم پار سال تک ضرور زندہ رہو گے — میرے ذمہ تو حج فرض ہو چکا اور زندگی کا کچھ اعتبار نہیں پھر اس میں تاخیر بلا عذر شرعی جائز نہیں۔ اس لیے مجھے تو اسی سال

Marfat.com

حج کرنا ضروری ہے"۔۔۔ آپ کے اس اصرار کو دیکھ کر آپ کے والد ماجد نے اپنی صاحبزادی کے عقد سے جلدی سے فراغت حاصل کی اور حج کا عزم فرمالیا۔ کیونکہ محبت اس کی اجازت نہ دیتی تھی کہ آپ کو تنہا سفر کی اجازت دیجائے۔

یہ شوال ۱۳۰۱ھ کا ذکر ہے جب آپ نے اپنی طالب علمانہ زندگی ختم کر کے ابھی ابھی مسند تدریس سنبھالی تھی اور کانپور میں مقیم تھے۔

غرض حج کے سامان ہوگئے اور آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ زیارت حرمین کے لیے روانہ ہوگئے، شوق کا یہ عالم تھا کہ جب کسی نے سمندر کے غیر معمولی تلاطم ہونے کا ذکر کیا تو جوش سے کہہ اٹھے ؎

چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتیبان

چہ باک از موج بحر آں را کہ دارد نوح کشتیبان

اسی جذبہ سے معمور مکہ معظمہ پہونچے، شیخ عالی مقام سے نیاز حاصل کیا۔ جو نعمت آنکھوں سے دور تھی سامنے آگئی۔ خود حضرت شیخ بجد خوش ہوئے اور دست بدست بیعت سے سرفراز کیا۔۔۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد اپنے مرید سے فرمایا "تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ"۔۔۔ حکیم الامت کے لیے اس سے زیادہ مسرت کا کیا موقع ہو سکتا تھا لیکن آپ کے والد ماجد نے آپ سے جدائی گوارا نہ کی اور شیخ قدس سرہ نے احترام شریعت کی بنا پر اپنے مرید کی یوں تسلی فرمائی کہ "والد کی اطاعت مقدم ہے، اس وقت چلے جاؤ پھر

Marfat.com

دیکھا جائیگا ـــــ"

چنانچہ آپ ۲۰ سال عمر میں سعادت حج پاک کر ۱۳۰۲ھ میں خواہی نخواہی ہندوستان لوٹ آئے۔

قیام مکہ معظمہ کے دوران میں مولانا تھانوی پر ارض پاک کا احترام و ادب اس درجہ غالب رہا کہ وہاں تھوکتے ہوئے بھی تامل ہوتا تھا اور جس وقت بیت اللہ شریف پر پہلی بار نظر پڑی ہے تو ایسی کیفیت "شوقیہ" "والہانہ" پیدا ہوئی کہ خود صاحب حال کا اعتراف ہے۔

"ایسی کیفیت مجھ پر عمر بھر کبھی طاری نہیں ہوئی" ـــــ اس کیفیت کو کوئی کیا بتلائے اور کیسے بتائے ہے

لفظ بیگانہ بھلا کیا ترجمانی کر سکیں
شوق بے اندازہ پیچیدہ وہ میرے دل میں ہے

(حضرت سیدی مدظلہ)

حج ثانی اور صحبت شیخ

عشق کی چنگاریاں جو دبی دبی سی تھیں، حضرت حاجی صاحبؒ کے تعلق اور ارض پاک مکہ کے قیام سے بھڑک اٹھی تھیں لیکن اب بھی ان میں سوختہ سامانی کی صفت نہ آئی تھی۔ حج سے واپس ہو کر کانپور میں درس تدریس کا سلسلہ اور تحریر و تقریر کے مشاغل برابر جاری رہے، بیسیوں کو عالم بنایا اور سیکڑوں ہزاروں کے دل میں دین کی عظمت بٹھائی اور اس کا سکہ جمایا، ادھر شیخ عالی مقام سے خط و کتابت کے ذریعہ سلوک کی منزلیں طے ہوتی رہیں اور مقامات حاصل ہوتے گئے، اندر ہی اندر عشق الٰہی کی آگ بھڑک رہی تھی کہ ایسے میں ایک نغمہ جان حیدر آباد دکن سے کانپور آئے۔ پیر جی امداد علی صاحب جن کا ذکر ابتدائی اوراق میں آچکا اور جو مولانا کے ماموں تھے ان کے جذبۂ عشق و ترک دنیا نے آپ کے جذبہ کو بے قابو کر دیا۔ جو چیز اب تک چھپی تھی ظاہر ہو چلی ؎

المدد توفیق ضبط و المدد تاب سکوت

لب پہ لے آئے نہ جوشِ دل کہیں اسرار دل

(حضرت سیدی مدظلہٗ)

شیخ تو تھے سمندر پار اور ادھر حالت ہو رہی تھی بے قابو، فوراً حضرت

گنگوہی کی خدمت میں اپنا حال ظاہر کر دیا ـــــ دل پر کیا کچھ نہ گذری ہو گی۔ جبکہ آج بھی الفاظ پڑھکر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ چند جملے درج ذیل ہیں۔

یا مولنا واللہ انی کنت فی ذالک الزمان غریقاً فی بحار الحیرۃ لطلب واتطلع الی من یخلصنی من ذا الوصب والنصب۔ اذ ناد منادٍ من قریب من غیر ارادتی و قصدی ھات یدک بیدی انجیک من ھذ البحر اللجی۔ وان الغریق یتشبث بکل حشیش لما ھو فیہ من التحریش و التشویش و قد کنت من وراء البحار من حبیبی و مغیثی وطبیبی و معھذا ما ترکت بحمد اللہ یوماً العمل بقول الاکابر خذ ما صفا دع ما کدر۔

ترجمہ :۔ "اے مولانا خدا کی قسم میں اس زمانہ میں حیرت و جستجو کے سمندروں میں غرق تھا اور ایسے شخص کو ڈھونڈ رہا تھا جو مجھے اس تکلیف اور پریشانی سے نجات دلائے یکایک بغیر میرے قصد و ارادہ کے ایک منادی نے مجھے آواز دی کہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدے میں تجھکو اس بحر زخار سے نجات دلاؤنگا۔ چونکہ ڈوبتا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے ـــــ کیونکہ وہ پریشان و مشوش ہوتا ہے ـــ اور میں تو اپنے حبیب و دستگیر اور اپنے طبیب سے اس طرح بچھڑا ہوا تھا کہ ہم میں سمندر حائل تھے (اس لیئے میں نے اس منادی کی آواز پر لبیک کہی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیا) لیکن اس کے باوجود

Marfat.com

بحمد اللہ میں نے ایک دن بھی اکابر کے اس قول پر عمل کو نہ چھوڑا کہ "خذما صفا ودع ماکدر" (جو اچھائی ہو لے لو اور برائی کو چھوڑ دو۔")

ان احوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ۱۳۰۷ھ سے زندگی نے دوسرا پلٹا کھایا، باطنی شغل سے دلچسپی اس درجہ بڑھ گئی کہ سارے تعلقات سے دل سرد ہو گیا، اپنے شیخ عالی مقام سے ترک ملازمت کا مشورہ لیا مگر جواب آیا۔

نامہ بہجت شمامہ آن عزیز باتمیز رسید، از استماع حال ذوق وشوق آثار ترقی فہمید، مسرت بر مسرت افزود، حق تعالیٰ برکت زیادہ کند بہ خلق اللہ فیض دینی رسانیدن راہ قرب وصول الی اللہ است؛

(مکتوب ۴۲ م ۲۲ محرم ۱۳۰۸ھ)

جو لوگ حضرات چشتیہ پر قرآن وسنت سے دوری اور شریعت سے گریز کا اتہام باندھتے ہیں وہ سلسلہ چشت کے اس برگزیدہ شیخ کے خط کشیدہ الفاظ کو ذرا غور سے پڑھیں اور اس قسم کی بے سروپا باتوں سے اپنی عاقبت برباد نہ کریں۔

مرشد برحق کے اس ارشاد کو آپ نے سر آنکھوں پر رکھا اور ۱۳۱۰ھ تک ضبط وسکون کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول رہے، لیکن اب شوق واضطراب نے بیحد مجبور کر دیا اور شیخ عالی مقام کا ارشاد باربار یاد آنے لگا کہ "میاں اشرف علی، تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ" کسی پہلو چین نہ آتا تھا۔ آخر ارادہ کر لیا، اسباب مہیا ہو گئے والد ماجد اس وقت تک انتقال فرما چکے تھے، شاگردوں اور دوستوں کو چھوڑ چھاڑ کر چل نکلے۔

تو باش ایجاد با خاصان بیامیز   کہ من دارم ہوائے منزل دوست

حضرت حاجی صاحب تو چاہتے ہی تھے کہ جلد مہینے کے لیئے یہ مرید رشید آجائے۔ اب اس خواہش کو پورا ہوتا دیکھ کر اس درجہ مسرور ہوئے گویا یعقوب کو یوسف گم گشتہ مل گیا، عنایات خاصہ اسقدر بڑھے کہ اوروں کو حسد ہونے لگا۔ بعض تو آپ کے درپئے آزار ہو گئے۔

اُدھر قوت افاضہ کا وہ حال اور ادھر قابلیت استفاضہ کا یہ عالم کچھ ہی عرصہ میں شاگرد و استاذ، مرید و پیر ہم رنگ ہو گئے۔ خود حضرت شیخ بے ساختہ فرمانے لگے۔

"بس تم پورے پورے میرے طریق پر ہو"

جب اپنے مرید باکمال کی کوئی تحریر نظر سے گذرتی یا تقریر سننے میں آتی تو بے اختیار زبان شیخ کہہ اٹھتی۔

"جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کردی"

پھر کیا عجب ہے کہ جب کوئی حضرت حاجی صاحب سے علم و عرفان کی کوئی بات پوچھتا تو آپ اپنے مرید خاص کی طرف اشارہ کرتے اور فرماتے

"ان سے پوچھ لو، یہ خوب سمجھ گئے ہیں"

شیخ و مرید میں باطنی مناسبت، جو اصلی مناسبت ہے، پیدا ہو ہی چکی تھی۔ لیکن خاطر شیخ میں ظاہری مناسبت کی تمنا بھی پنہاں تھی — حکیم الامت کے اسی دوران قیام مکہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ اور خالہ

صاحبہ بھی وہاں پہنچ گئی تھیں ؟ خالہ صاحبہ نے خدمت شیخ میں عرض کی ۔

" ان کے لیئے صاحب اولاد ہونیکی دعا فرمایئے "

حضرت نے ان کی درخواست تو مان لی ۔ لیکن باہر آکر اپنے مرید عزیز سے فرمانے لگے ۔

" تمہاری خالہ مجھ سے دعا کے لیئے کہتی ہیں کہ تمہارے اولاد ہو سو دعا تو میں نے کردی لیکن بھائی میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی تم بھی رہو ، جو حالت میری ہے وہی حالت تمہاری بھی رہے " !

مرید باتمیز نے پوری بشاشت سے عرض کی ۔

" جو حالت حضرت کو پسند ہے ، وہی میں اپنے لیئے پسند کرتا ہوں " ۔

خیر من ہست انچہ تو فرمودۂ　　　انچہ فرمودی ہمونم آرزوست

(حضرت سیدی مدظلہ)

یہ جواب پاکر حضرت حاجی صاحب بڑے مسرور ہوئے کہ ہر اعتبار سے اپنا جانشین مل گیا ـــــ اسی ایک بات سے اس خصوصی محبت و شفقت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو شیخ کو اپنے مرید سے تھی ، ہر طرح دل و جان سے یہی چاہتے تھے کہ حکیم الامت " امداد اللہ ثانی " بن جائیں اور کبھی فرق نہ ہو سکے کہ " من دیگرم تو دیگری " ـــــ یہ اختصاص کسی اور مرید کے حصہ میں نہیں آیا !

ایک صاحب علم مولوی محمد احسن صاحب کو مکہ معظمہ میں مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق یہ شبہ ہوا کہ یہ تو بالکل خلاف ایمان معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے[1] حکیم الامت نے ان کے اس اشکال کو رفع کرکے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس مسئلہ کے بغیر ایمان کامل ہی نہیں ہوتا۔ اُن کو آپ کی تقریر سے اس درجہ تشفی ہوئی کہ خوش ہو کر حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں یہ واقعہ نقل فرمایا، حضرت شیخ فرطِ مسرت سے کہہ اُٹھے۔

"ہاں جی ہاں۔ ان پر یہ مسئلہ خوب منکشف ہوا ہے"[52]

---

[1] اب بھی بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس کی وجہ مسئلہ کی حقیقت سے بے خبری۔ اور اس کی غلط تشریحات ہیں۔ (مؤلف)

وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود[2]

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقتہً اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب انہیں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سائے کے ہیں سو سائے سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی جسم ہے اور یہ عالم اس کا سایہ ہے۔ بلکہ سائے کے وہ معنی ہیں جیسے کہا کرتے ہیں ہم آپ کے زیرِ سایہ رہا کرتے ہیں یعنی آپ کی حمایت و پناہ میں اور ہمارا امن و عافیت آپکی توجہ کی بدولت ہے۔ اس طرح چونکہ ہمارا وجود بدولتِ عنایت خداوندی ہے اسی لیئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے عارضی اور ظلی ہے، اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد سمجھا جائیگا یہی وحدۃ الوجود ہے اور اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں گو غلبۂ نورِ حقیقی سے کسی مقام پر سالک

Marfat.com

اس مرتبہ کے قیام مکہ معظمہ میں حکیم الامت پر "توحید" کا انکشاف بدرجۂ اتم ہوا، جو شریعت و طریقت کی اساس اور درویشی و تصوف کا حاصل ہے اور جس کا لازمی نتیجہ "عبدیت" ہے جو سلوک کا اعلیٰ ترین مقام ہے ــــ سارے انبیاء اسی مقام سے بدرجۂ کمال، ممتاز رہے ہیں اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اس مقام کا کمال "ختم" ہے اور یہی آپ کا طرۂ امتیاز ہے ــ چنانچہ پورے کلام پاک میں محض "عبد" کا لفظ کہکر اگر کسی کی ذات مراد لی گئی ہے تو وہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الا (پاک ہے وہ ذات جو اپنے "عبد" (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے ایک حصہ

کو وہ نظر نہ آئے یہ "واحدۃ الشہود" ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ نور مہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے اگر اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور ماہتاب کو تاریک کہا جائیگا۔ یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس کا نور بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ تو آثار خاصہ ہیں گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہی ہے مآل کار دونوں کا ایک ہے۔ اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیہ میں "عینیت" سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے، یہ تو صریح کفر ہے۔ چنانچہ وہی صوفیائے محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں۔ پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی ــــ

Marfat.com

ہیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی)

غرض تقریباً ۸ مہینے کے قیام کے بعد حکیم الامت نے اپنے شیخ عالی مرتبت سے رخصت چاہی - عارف باللہ حضرت حاجی صاحب رح نے ۲ دو وصیتیں بطور خاص فرمائیں -

(۱) دیکھو میاں اشرف علی ہندوستان پہنچکر تم کو ایک حالت پیش آئے گی عجلت نہ کرنا !!

(۲) کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو جاؤ تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا "

گویا ۱۳۰۸ھ میں جس ترک تعلق کو منع فرمایا تھا اب بعد حصول "تمکین" خود اس کے ترک کا مشورہ دے رہے ہیں)

غرض ان وصیتوں اور باطنی دولتوں کو لے کر آپ ۱۳۱۱ھ میں مالا مال ہندوستان لوٹ آئے -

---

مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے، اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جائے تو وہ کلام حالت سُکر کا ہے اور نہ قابل ملامت ہے نہ لائق تقلید !!

(تعلیم الدین از حکیم الامت رح)

واپسی اور قیام وطن

مکہ معظمہ گئے تھے اس حالت میں کہ عنفوان شباب کا زمانہ تھا، خداداد جمال و جلال کا یہ عالم کہ طالب علمانہ سادگی کے باوجود شکیل و وجیہہ نظر آتے تھے مگر شش ماہ قیام کے بعد جب لوٹتے ہیں تو عشق کے ہاتھوں وہی حال ہو چکا تھا، جس کو زمانہ طالب علمی میں خود ہی یوں ظاہر فرما چکے تھے ؎

عشق می سازد ز مال و جاں جدا ... عاشقاں را نیست مطلب جز خدا
عشق، عاشق را کند زار و نزار ... عشق، عاشق را کند رسوا و خوار
عشق سازد زرد روئی عاشقاں ... ہم کند ژولیدہ موئے عاشقاں
عشق معشوق است مر عشاق را ... من لهوب العشق ہم تا و بلی

(مثنوی زیر دیم)

کانپور میں سنہ ۱۳۱۵ھ تک قیام

ہندوستان پہنچکر پھر مدرسہ "جامع العلوم" کانپور کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ پھر کیفیت "شوقیہ الہیہ" نہایت جوش و خروش سے واردی ہوئی، مگر اس دفعہ اس میں کلفت کے بجائے لذت اور ناگواری کے بدلے خوشگواری تھی ــــ شیخ کی خدمت میں حاضری سے قبل کی کیفیت

Marfat.com

شوقیہ "سیرالی اللہ" کا نتیجہ تھی اور موجودہ کیفیت "سیر فی اللہ" کے باعث تھی، وہ حالت مشاہدہ سے پہلے کی تھی اور یہ اس کے بعد کی۔ وہ "اثرِ عشق" تھا اور یہ "اثرِ حسن"!! بقول خود آپ ہی کے حال یہ تھا:۔ جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو ذاکر و شاغل اور ولی کامل بنا دوں[۱] چنانچہ اسی غلبہ حال کی وجہ سے شروع شروع "حلقہ توجہ" بھی منعقد فرمانے لگے تھے۔ تاکہ اپنا "ایقان" مرید دل میں بھی جلد از جلد پیدا ہو جائے ـــــ اس زمانہ میں اثر کا یہ عالم تھا کہ توجہ لینے والے تاب نہ لاسکتے تھے اور بے قابو ہو جاتے تھے، اس کی وجہ سے مدرسہ مدرسہ ہی نہ رہا تھا بلکہ خانقاہ بھی بن گیا تھا۔

سارے طلبہ و اساتذہ ذکر و شغل سے سرمست و سرشار تھے[۱] ؎

دلِ اینجا میکند اللہ اللہ　　　　کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ

اس کی اطلاع جب حضرت شیخ کو ہوئی تو جواب آیا:۔

"ماشاء اللہ آپ اور آپ کے متعلقین کے ذوق و شوق کی کیفیت سنکر طبیعت نہایت ہی خوش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بایں ہمہ ذکر و شغل دائم مشغول رکھے، دن بدن ترقی در ترقی عطا فرمائے، مقصود اصلی تک پہنچائے[۲]۔ آمین ثم آمین"

---

[۱] حکیم الامت نے ابتداءً غلبۂ ذوق و شوق میں حلقۂ توجہ بھی منعقد کیا تھا لیکن بعد میں اس کو اپنے مشرب سے الگ قرار دیا۔

[۲] ذوق و شوق مقصود اصلی نہیں:۔ ذوق مطلوب نہیں کیونکہ وہ ایک حال ہے نہ کہ

لیکن اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ تو ایک حال تھا، ؂ حال کو قرار کہاں! ع

"گاہ ہست و گاہ نیست"

چنانچہ جب "مقامات"[۱] میں رسوخ بڑھتا گیا تو اس "شوق" نے اور ہی رنگ اختیار کیا، نظرِ بلند تر "مقامات" پر پڑنے لگی۔ اور ان کے حصول کی تڑپ پیدا ہوئی اور اس نے اضطراب والتہاب کی ایک کیفیت پیدا کر دی جیسی قیام مکہ سے پہلے ہوئی تھی۔ لیکن دونوں کی اصل میں زمین و آسمان کا فرق تھا، اس دفعہ کی کیفیت "طلب ابتلائی" کا نتیجہ تھی۔

---

[۱] مقام اور مقام مطلوب ہیں نہ کہ احوال اور فرق دونوں میں اختیاری و غیر اختیاری ہونے کا ہے۔ اہل فن کا قول ہے: "المقامات مکاسب والاحوال مواھب" حضرت حاجی صاحب رح فرمایا کرتے تھے کہ طالب لذت طالب حق نہیں ہے، کام میں لگنا چاہیے، ثمرہ پر نظر نہ چاہیے اسی طرح شوق مطلوب نہیں عمل مطلوب ہے، بلکہ عمل بلا شوق میں زیادہ تعب کے باعث زیادہ اجر ہے، اور یہ نکتہ عمر بھر پلے میں باندھ لینے کے لائق ہے۔ مقصد اصلی طلب رضائے الٰہی ہے جب مسلمان کو خدا تعالیٰ سے محبت اور عشق ہے تو بس اس کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو چاہے اسمیں اپنا یا دوسرے کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ پس رضائے حق کی تلاش کرو جب رضا مل گئی تو رضائی (یعنی ظاہری راحت) بھی ملجائیگی، لیکن رضائی کی نیت سے رضا کو مت طلب کرو۔ رضائی ملے تو خیر نہ ملے تو ٹھٹھر کر مرجاؤ کیونکہ جیسے رضائی تمہاری نہیں بلکہ انکی عطیہ ہے ایسے ہی جان بھی تمہاری نہیں ہے۔ غرض اپنی طرف سے اسی کیلئے آمادہ ہو، باقی عادۃ اللہ یہی ہے کہ رضا کے ساتھ رضائی بھی ملتی ہے۔" (مواعظ حکیم الامت رح)

اور موجودہ حالت "طلب مزید" کا ؎

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

اسی لئے آپ کی حیرانی و پریشانی بھی سخت نزلاحق ہوئی۔ ع

حیرت آغاز وانتہا ہے!

یہ وہی کیفیت تھی جس کی پیش گوئی حضرت شیخ نے اپنے مرید کو واپس کرتے وقت فرمائی تھی،

سارے مشاغل سے دل سرد ہو گیا، کہاں کا درس اور کیسا وعظ؟ — اہل کانپور جو آپ کے مواعظ کے دلدادہ تھے، بیتاب ہو گئے۔ ایک مرتبہ ایک بڑا جلسہ تھا، بیرونی علمار عظام بھی آئے ہوئے تھے اراکین مدرسہ ان علمار کو لیکر آپ کی خدمت میں آئے اور وعظ گوئی کے لئے اصرار کیا۔ اکابر علمار کو دیکھکر نہ انکار بن پڑتا تھا نہ اپنی حالت کے پیش نظر اقرار ممکن تھا۔ جب کچھ نہ بن آیا تو گردن جھکائے آنسوؤں کی زبانی اپنا حال دل سنانے لگے۔

یہ دیکھکر مولانا ظہور الاسلام فتح پوریؒ کا دل پگھل گیا اور بے ساختہ ان کی زبان سے یہ شعر نکلا ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے "بس بھائی بس" اب انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو تنگ نہ کرو"

اسی طرح ایک اور موقع پر شاہ سلیمان صاحب پھلواری رح

تشریف لائے ہوئے تھے، ان سے بھی کانپور والوں نے عرض کی کہ وہ حکیم الامت رح کو لب کشائی پر آمادہ کریں تو انھوں نے عجیب جواب دیا۔ فرمایا:۔

"اگر ایسی حالت میں اس شخص سے وعظ کہلوایا تو بس ممبر پر بیٹھتے ہی اس کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلیگا وہ "انا الحق" ہوگا ایسی حالت میں اصرار ہرگز مناسب نہیں"۔

ان کی اس رائے کی تصدیق خود حکیم الامت نے بھی بعد کو فرمائی کہ "اس زمانہ میں مجھ پر توحید کا بہت غلبہ تھا۔ اس لئے میں نے وعظ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ نہ جانے منہ سے کیا نکل جائے اور عوام کو غلط فہمی ہوکر دینی نقصان پہونچے"۔

دیکھیے کہ اس غلبۂ حال میں بھی مصلحت عامہ کا خیال کس قدر نادرات سے ہے! یہ اسی ہستی سے ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح امت کے لئے چن لیا ہو!!

غرض یہ کیفیت التہاب بڑھتی چلی گئی، پیرجی امداد علی صاحب رح ابھی کانپور ہی میں مقیم تھے۔ اور ماموں ہونے کی وجہ سے ان سے ربط قایم ہی تھا۔ اس حالت میں کچھ اُن سے چارہ جوئی بھی کی۔ لیکن ظاہر ہے کہ "طریق مصطفوی" کے چلنے والے کی کیفیات واحوال کو ایک ایسا شخص کیا جان سکے۔ جو نے دیر ربط کی پیچ پیچ وادیوں سے گھوم گھام کر کسی مقام تک پہونچا ہو!!

Marfat.com

نتیجہ یہ کہ پیر جی صاحب کی ہر تدبیر بے فائدہ اور ان کی ہر دوا بے نتیجہ ہی نہیں۔ بلکہ مرض کی زیادتی کی باعث ہوئی اور حالت بے قابو ہونے لگی۔ اتفاقاً کوئی صاحب مکہ معظمہ جا رہے تھے حکیم الامت نے ان کے ذریعہ اپنے پورے احوال لکھ بھیجے اور اس کا بھی اعتراف کیا کہ ؎

چنداں کہ گفتیم غم با طبیباں
درماں نہ کردند مسکین غریباں
حال خود را با یار گفتیم
نتوان نہفتن درد از حبیباں

جب یہ عریضہ شیخ العرب والعجم کی خدمت میں پہنچا تو آپ کا یہ عالم تھا کہ کبھی گھر میں تشریف لیجاتے اور کبھی باہر نکل آتے اور بار بار فرماتے "جوان آدمی ہیں غلبہ ہو گیا ہے تحمل نہیں ہو سکا، مگر میں تو اتنی

(حاشیہ صفحہ ۷۴)

حال اور مقام[1]:۔ سالک کے قلب پر جو کیفیت غیب سے نازل ہو جس میں اس کا کچھ اختیار نہیں اس کو "حال" کہتے ہیں اور جس مرتبہ سلوک میں اس نے پختگی و استقامت حاصل کی ہو وہ "مقام" ہے۔ پس "مقام" تو سالک کے تحت میں ہوتا ہے اور "حال" کے تحت میں سالک ہوتا ہے۔

(تعلیم الدین حکیم الامت)

Marfat.com

دور ہوں کیا کردوں ؟"

اس پر جو صاحب عریضہ لے گئے تھے انھوں نے عرض کی: "حضرت! میں جلد ہی جانے والا ہوں"۔

بس یہ سنکر خاطرِ شیخ میں سکون و سرور کی لہر دوڑ گئی، جواب اُن کے حوالے کر دیا اور فرمایا :-

"اُن سے کہنا کہ جبتک تمھارا خادم زندہ ہے کیوں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہو"۔

جب یہ صاحب ہندوستان لوٹ آئے اور حکیم الامت کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو عین دوپہر کے وقت مشتاقانہ ان کے گھر پہنچے، انہوں نے والا نامہ پہونچایا اور زبانی پیام بھی ——— اس سے جو اثر ہوا اس کا حال زبانِ اشرف سے سنیئے :-

"قبل ظہر انھوں نے مجھے حضرت کا یہ پیغام سنایا تھا۔ بس سنتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے دہکتے ہوئے تنور پر کسی نے بھری ہوئی مشک چھوڑ دی اور جلتے ہوئے سینے پر برف کا ٹکڑا رکھ دیا ہو۔ عصر تک نصف سے بھی کم پریشانی رہگئی اور مغرب تک تو بس مطلع بالکل صاف تھا"۔

ہمہ سبز "شوق" وہمہ ذرہ ہماری تحریر ہمہ سرمایۂ "تسکین" ہی تمھارا مکتوب

(حضرت پیری مدظلہ

اس طرح "شوق" کی کیفیت "اُنس" میں بدل گئی اور جس طرح اس مرتبہ کی

کیفیت شوقیہ پہلے سے بہت اعلیٰ تھی ۔ اسی طرح یہ کیفیت "اُنس" بھی گذشتہ کیفیت سے کہیں ارفع تھی ــــ اصل یہ ہے کہ راہ سلوک ایک سیدھی مگر ہموار و مسطح نہیں بلکہ نشیب و فراز کی راہ ہے، اس میں اتار چڑھاؤ مسلسل چلا جاتا ہے مگر اس کا ہر اتار پچھلے چڑھاؤ سے بہتر اور ہر چڑھاؤ پچھلے اتار سے اس لئے اہم تر ہے کہ منزل مقصود سے قریب ہوتا جاتا ہے۔

مشہور ہے کہ " ہر کہ از حق انس گیرد از خلق وحشت گیرد"۔ چنانچہ رفتہ رفتہ آپ کو بھی تعلقات سے وحشت ہونے لگی، یہاں تک کہ کانپور جیسے پسندیدہ مقام سے اور اپنے قائم کردہ مدرسہ سے بھی برداشتہ خاطر ہو گئے۔ حضرت شیخ کی نصیحت یاد آئی کہ اگر کبھی کانپور سے دل برداشتہ ہو جاؤ تو پھر توکل بخدا تھانہ بھون ہی میں جا کر بیٹھ جانا۔

سنہ ۱۳۱۳ھ کے ختم پر اب ٹھان لی کہ خانقاہ تھانہ بھون کو جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور حضرت شیخ محمد صاحب محدث تھانوی کی برکات سے "دکانِ معرفت" کہلاتی تھی اپنا گوشہ عافیت بنایا جائے ــــ مگر کانپور کے فریفتہ و گرویدہ لوگوں سے بے مروتی بھی کیسے گوارا ہو سکتی تھی اپنی خداداد فراست سے اس گتھی کو سلجھا لیا ــــ اتفاقاً ان دنوں مدرسہ کی مالی حالت کچھ خراب تھی اس بہانہ سے پہلے اپنی تنخواہ سے دست بردار ہو گئے۔ پھر اپنی جگہ مولوی اسحٰق صاحب بردوانی کو مدرس اوّل بنایا۔ اور اپنے لئے محض سرپرستی کی خدمت رکھ لی، اس کے بعد اہل کانپور سے کچھ دن آرام لینے کا عذر کر کے آخر صفر سنہ ۱۳۱۵ھ میں خورش

خوش کانپور سے چل نکلے کہ ؎

ہمیشہ پیش من عاشقی و رندی بود دگر بکوشم و مشغول کارِ خود باشم

تھانہ بھون آکر اس کی اطلاع حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچائی جواب آیا۔

"بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے آئے، اُمید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا۔ آپ ہمارے مدرسہ کو از سر نو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔"

(مکتوب ۳۶ م ۱۲ ربیع ۲ ۱۳۱۵ھ)

یہاں رہکر مولانا تھانوی ؒ وقتاً فوقتاً مدرسہ کانپور کے حالات دریافت فرماتے رہے تاکہ اہل کانپور یہ نہ سمجھنے لگیں کہ آپ نے ہمیشہ کے لیئے ترک تعلق فرمایا ہے مگر جب اطمینان ہو گیا کہ اب مدرسہ کی مشین ٹھیک نہج پر چل رہی ہے اور اب اپنے عزم کے اظہار سے اس میں خلل کا اندیشہ نہیں رہا ہے تو مدرسہ والوں کو لکھ بھیجا کہ ؎

از قیل و قال مدرسہ حالے دلم گرفت یکچند نیز خدمت معشوق می کنم

اہل کانپور کے دلوں پر یہ خبر برق بنکر گری، ان لوگوں نے درخواست کی کہ مدرسہ کا کوئی کام حضرت کے ذمہ نہ ہوگا۔ لیکن قیام تو کانپور میں رہے آپ نے جواب میں اصل حقیقت ظاہر کردی کہ جو کچھ کیا گیا تھا وہ مرشد عالی مقام کے حکم سے تھا۔ ان لوگوں نے حضرت حاجی صاحب ؒ سے آپ کے

Marfat.com

قیام کانپور کی اجازت چاہی، لیکن حضرت قدس سرہ نے ان کو اور خود حکیم الامت کو یہی لکھ بھیجا۔

"فقیر کے نزدیک مستقل قیام آپ کا تھانہ بھون میں ضروری ہے باقی تعطیل وغیرہ کسی فرصت میں یا جس وقت طبیعت کچھ گھبرائے تو کانپور کا دورہ بھی کریں اور اُن لوگوں کی خبر گیری کریں۔ اور طالب کیلئے تو تھانہ بھون کانپور سے کچھ دور نہیں"

۱۳۱۵ھ مستقل قیام تھانہ بھون

سنہ ۱۳۱۵ھ سے حکیم الامت کا وہ دور شروع ہوتا ہے جو تا آخر حیات باقی رہا۔ یعنی مستقل قیام تھانہ بھون۔ آپ اس معرفت گاہ میں پہنچکر جس کی رونق مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رح کی رحلت، حضرت حافظ ضامن رح کی شہادت اور حضرت حاجی صاحب رح کی ہجرت کی وجہ سے ماند پڑ چکی تھی[1] پھر باعث فروغ رونق ہوئے۔ کانپور چھوڑنا اپنے قائم کردہ مدرسہ سے تعلق نہ رہا۔ والد ماجد کی دولت ثروت کو مشتبہ پاکر ان کے ترکہ سے ایک حصہ بھی لینا گوارا نہ کیا۔ بس اپنے شیخ عالیمقام کی نصیحت پر متوکلاً علی اللہ ہمہ تن مشغول بحق ہو گئے۔

---

[1] شیخ محمد صاحب نے طبعی موت پائی۔ حافظ ضامن صاحب سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں فرنگ کی گولی کا نشانہ بنے اور اسی خلفشار کی بنا پر اس زمانہ میں حضرت حاجی صاحب مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ (مؤلف)

Marfat.com

بہ ذکر حبیب از جہاں مشتغل ‌ ‌ ‌ ‌ بہ سودائے جاناں ز جاں مشتغل

اس دوران میں کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے ابتداءً قرض ہوگیا تو آپ نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں دُعا کے لیے تحریر کیا اور حضرت گنگوہی سے بھی یہ درخواست کی، مولانا گنگوہی نے فرمایا۔

"کہو تو مدرسہ دیوبند میں تمھارے لیے مدرسی کی تحریک کردوں"۔

حکیم الامت نے ادب سے عرض کیا۔

میرا تو اس وقت عرض کرنے کا مقصود صرف دعا ہی، باقی حضرت حاجی صاحبؒ نے بعد ترک تعلق کا نپور کسی اور جگہ کوئی تعلق کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ لیکن اگر حضرت کی یہی تجویز ہے تو میں اس کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی تجویز سمجھوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ حضرت حاجی صاحب ہی نے اپنی پچھلی تجویز کو منسوخ فرما کر اب یہ صورت تجویز قرار دی ہے۔ کیونکہ تجویز موخر ناسخ ہوتی ہے تجویز مقدم کی"

یہ سنکر مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا۔

نہیں نہیں اگر حضرت حاجی صاحب کی ممانعت ہے تو میں ہرگز اس کے خلاف مشورہ نہیں دیتا میں دُعا کروں گا اللہ تعالیٰ قرض سے سبکدوش فرمائیے"۔

اس طرح دونوں بزرگوں کی دُعاؤں سے بہت جلد قرض کی ادائی کی صورت نکل آئی۔ آپ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے اصلاح باطن کے کام میں مشغول رہے رفتہ رفتہ خانقاہ کی رونق بڑھتی چلی گئی۔

Marfat.com

اس دور میں آپ کا رنگ کچھ اور تھا، خود سراپا سوز و گداز تھے۔ اس لیے جو آتا سوختہ و گداختہ ہو جاتا ہے ؎

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی
نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے

ایک آخری روحانی گھاٹی :-

تا بلا بر کسے قضا نہ کنیم !
نام او راز اولیاء نہ کنیم !

ولایت کا کیا ذکر نبوت بھی پھولوں کی سیج پر نہیں ملتی جوہر نبوت گو ہر نبی میں اس کی پیدائش ہی سے رکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ جوہر مجاہدات، ریاضات اور روحانی و جسمانی مصائب و آلام ہی سے جلا پاتا ہے[۱] اور جس کا رتبہ جتنا اعلیٰ ہوتا ہے اس پر ان تکالیف کا درد بھی اتنا ہی فزوں تر ہوتا ہے چنانچہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"اشد الناس بلاء الانبیاء فالامثل فالامثل"

"یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب انبیائے کرام پر آئے ہیں اور اُن کے بعد پھر درجہ بدرجہ جو ان سے زیادہ مماثلت رکھتے تھے"

اور نبی کی روحانی تکالیف کا حقیقی ادراک ایک غیر نبی سے کیا

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو "مدارج النبوت" از عبد الحق دہلوی ؒ

Marfat.com

ممکن ہے جبکہ ایک "دلی" کی اس قسم کی کیفیات کا ادراک بھی بلا ان مراحل سے گذرے محال ہے۔ اس کی وجہ اس سوال کے حل پر معلوم ہوسکتی ہے کہ انسان کو راحت اور نفع پر خوشی اور تکلیف و نقصان پر رنج کب ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان کا مدار انسان کے دماغ کی صحت و تندرستی پر ہے ورنہ کسی پاگل اور مخبوط الحواس کو تو کسی نعمت کے ملنے کی خوشی یا اس کے نہ ملنے کا رنج نہیں ہوتا، پھر غور کیجئے کہ یہ خوشی اور یہ غم تو اُن چیزوں کے متعلق ہے جو ہماری چند روزہ زندگی سے متعلق ہیں اور جن کی بے ثباتی کا ہم کو یقین کامل ہے۔ تو جب ان فانی چیزوں کے ملنے نہ ملنے سے محض صحت دماغ اور صحت حواس ظاہرہ کی بنا پر وہ تکلیف ہوتی ہے کہ بعضے تو اس کی تاب بھی نہیں لاسکتے" تو کیا عالم ہوگا اس مسرت و رنج کا جو ابدی اور لازوال دولت کے ملنے یا نہ ملنے اور اُس پائیدار و باقی زندگی میں کوئی نقص آنے یا نہ آنے کے احساس سے پیدا ہو ــــ اور خود یہ احساسات کس درجہ قوی ہوں گے جو محض دماغ ہی کی نہیں بلکہ "قلب" کی صحت اور حواس باطنی کی بیداری کا نتیجہ ہوں!! اسی لیے کسی عارف کا قول ہے۔

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود!!
گر ز باغ دل خلالے کم بود!!

حکیم الامت بھی سلوک کی منزلیں طے کرتے رہے، کتنی ہی گھاٹیوں سے اتارے گئے اور چڑھائے گئے۔ اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آپ کو

ایک اعلیٰ ترین مقام پر فائز کرے۔ اور اس راہ کی دشوار ترین گھاٹی سے بھی گذارے تاکہ بھیرو دوسروں کی رہبری میں آپ کو حیرانی و پریشانی نہ ہو۔

ہوا یہ کہ آپ کی بڑی اہلیہ کے خالو صاحب کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں دشمن کا شتکاروں نے شہید کر دیا، اس کی اطلاع پا کر آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ فوراً چھتا دل پہنچے۔ تجہیز و تکفین کے سارے مراحل اپنے سامنے پورے کرائے اور اس وقت بظاہر آپ پر اس کا کوئی خاص اثر نہ تھا مگر بعد دفن جب گھر لوٹے اور مستورات کے رونے کی آواز کان میں پڑی تو مجروح قلب پر ایک ایسی کاری ضرب لگی کہ اختلاج سا ہو گیا ابھی اس سے نجات بھی نہ ملی تھی کہ دو تین ہی دن کے اندر اندر گنگوہ میں ایک اور عزیز کا انتقال ہو گیا۔ اور اس غمی میں بھی شرکت ہوئی جس سے پہلے زخم پر خوب نمک پاشی ہوئی، اسی حالت میں پچھلی رات کو نماز تہجد کے قصد سے وضو کر رہے تھے کہ یکایک بلا کسی قصد و ارادہ کے ایک "خطرۂ منکرہ" وارد ہوا، چند الفاظ دفعتہً تخیلہ میں آ گئے، اور گو یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ مگر اس مرتبہ اس درجہ کا شدید اثر ہوا کہ زندگی ہی سے دل سرد ہو گیا، خودکشی کے وسوسے آنے لگے خود فرماتے تھے۔

"ایک بار ایک صاحب ملنے آئے، اُن کے پاس اس وقت بھری ہوئی بندوق تھی، بار بار جی میں آتا تھا کہ ان سے کہوں کہ خدا کے لئے فیر کر کے میرے ناپاک وجود سے دنیا کو پاک

Marfat.com

کردو۔ کیونکہ فرعون و ہامان سے بھی بدتر ہوں - وہ جس بلا میں مبتلا ہیں اس سے ایمان لاکر ایک منٹ میں چھٹکارا پا سکتے ہیں اور میں جس بلا میں مبتلا ہوں اس سے سالہا سال میں بھی خلاصی ممکن نہیں "

یہی نہیں بلکہ دونی مصیبت یہ تھی :-

" اگر ذکر کرنے بیٹھتا (جو کہ قرب کی حالت تھی) تو ساتھ ہی ساتھ وہ "خطرہ منکرہ" بھی عود کرآتا اور اگر عود خطرہ سے بچنے کی غرض سے ذکر کو منقطع کرنا چاہتا (جو کہ بُعد تھا) تو اس کو بھی کسی طرح دل گوارا نہ کرتا تھا، گویا یہ حالت تھی ؎

من شمع جان گدازم تو صبح دلکشائی | سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیکت آنچنانم، دور آنچنانکہ گفتم | نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

"غرض سخت کشمکش میں مبتلا تھا اور ایسی شدید حالت تھی کہ باوجود صحت بدنی کے موت کو حیات پر ہزار درجہ ترجیح دیتا تھا"

حسن اتفاق سے یہ بات قیام گنگوہ میں پیش آئی تھی، صبح ہوتے ہی فوراً اپنا حال زار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کے آگے رکھدیا، جو جواب عطا ہوا اُس کی قدر و قیمت اہل فن ہی جان سکتے ہیں ارشاد ہوا :-

" التفات نہ کیا جائے "

حکیم الامت وطن لوٹ آئے لیکن حالت وہی قائم رہی بلکہ بڑھتی گئی اور یہاں تک بڑھی کہ اختلاج قلب کے شدید دورے پڑنے لگے اور

Marfat.com

چند ہی دن میں آپ بہت کمزور ہو گئے۔ حکیم محمد صدیق صاحب گنگوہی اتفاقاً تھانہ بھون آئے ہوئے تھے، ان سے رجوع کیا، حکیم صاحب نے قارورہ دیکھا تو تعجب کیا کہ یہ زندہ کیونکر ہیں، قارورہ تو صاف بتا رہا ہے کہ حرارت عزیزی بالکل فنا ہو چکی ہے، خیر اپنی ساری کوشش علاج میں لگا دی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور ہوتا بھی کس طرح، یہ تو وہ "درد تھا جس کا علاج "خزانہ غیب" ہی سے ہو سکتا تھا۔

آپ نے پھر خانقاہ کا قیام ترک کر کے سفر اختیار کیا۔ عجیب کیفیت تھی کبھی خالی بندوق لے کر فیر کرتے اور اسی میں لطف پاتے، کئی بار حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت بیان کی مگر اس حکیم حاذق نے جو نسخہ روز اول بتلا دیا تھا اسے بدلنے کی کوئی وجہ نہ پائی اور نہ بدلا یہ فرماتے رہے کہ خطرات کی طرف التفات نہ کرو ——— اسی اثنا میں آپ نے اپنے شیخ ذی شان کو بھی اپنے احوال سے مطلع فرمایا، جواب آیا:۔

"الحمد للہ آپ کے قلب کی حالت بہت اچھی ہے" یہ مقام "خوف و رجا" ہے اسی کو "ہیبت انس" کہتے ہیں، کبھی "ہیبت" اور کبھی "انس" کا غلبہ ہو جاتا ہے، دونوں کو ایک سمجھنا چاہیئے[1]۔ فقیر دعا کرتا ہے جو کچھ قلب پر وارد ہو

---

[1] بقول عارف شیراز:۔ این ہمہ عکس مے و نقش مخالف کہ نمود + یک فروغ رخ ساقیست کہ در جام فتاد
اور بقول ہادی مد ظلہ:۔ تری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں + وہ چاہے مست کرے چاہے ہوشیار کرے

منجانب اللہ خیال کرو۔ جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے، اس قسم کی گھاٹیاں طالب کو آیا ہی کرتی ہیں انشاء اللہ سب سے پار ہو جاؤ گے"

مکتوبات ۴۴ تا ۴۶

پھر ایک والا نامہ میں تشفی بخشی گئی :-

"آپ کی حالت اب بہت اچھی ہے، فقیر دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ترقی فرمائے"۔

غرض تقریباً ایک برس تک یہ "غلبہ ہیبت" طاری رہا۔ اور حضرت شیخ کی حیات ہی میں اس گھاٹی سے بھی عبور نصیب ہو گیا، اس یکسالہ مدت میں آپ پر جو کچھ گذری اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک مرتبہ جب کسی مرید نے اپنی باطنی پریشانیوں کی تفصیل لکھ بھیجی تو حکیم الامت نے جواباً تحریر فرمایا :-

جو جو مضایق و مصائب و عقبات و بلیات آپ نے لکھی ہیں یہ سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی نہیں جو بعض کو پیش آئے ہیں، اس وقت مجھ کو بعض (مراد خود حکیم الامت) کے احوال یاد آ گئے اور سر سے پاؤں تک اس نے مجھکو ہلا دیا"۔

لہ کہتے ہیں کہ دل گھر ہے اللہ تعالیٰ کا اس گھر میں جو وارد ہو اللہ کا مہمان ہے
حضرت سیدی مدظلہ

Marfat.com

یعنی غلبہ ہیبت کے فرد ہونے کے پندرہ برس بعد بھی محض اس وقت کی یاد نے سر سے پاؤں تک ہلا دیا تو اب سوچیئے عین اس حالت میں کیا کچھ نہ گذری ہوگی ــــ جس پہ بیتتی ہے وہی جانے!

اہل فن جانتے ہیں کہ اس شدید اور مدید "ہیبت" کے بعد کس قدر لازوال اور ترقی پذیر "انس" میسر آیا ہوگا اور کیا "رسوخ" و "تمکن" حاصل ہوا ہوگا کیونکہ ہر عسر کے بعد یسر پیدا کرنا اور ہر بلا کے بعد عطا سے سرفراز کرنا اللہ تعالیٰ کی عادت میں سے ہے۔ اور اسی لیئے اس قسم کی بلائیں بھی (جو پیش خیمہ عطا ہوں) قابل قدر ہوتی ہیں اور اسی لیئے اس تکلیف پر شیوخ اپنے مریدوں کو مبارکباد دیتے ہیں ؎

ایں بلا گوہر خزانہ ماست!
گوہر خود بہ کس عطا نہ کنیم

الحاصل آپ کو وہ مرتبہ ملا جس کو "عبدیت" کہتے ہیں، جس کی لازمی صفت بندگی و سرافگندگی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ گلاب کی ایک پنکھڑی سے بھی بوئے گل کا اندازہ ہوسکتا ہے تو پھر ذیل میں ایک ملفوظ درج ہے اس سے حکیم الامتؒ کی شان عبدیت کا پتہ لگائیے فرماتے ہیں:۔

"بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فساق و فجار سمجھتے ہیں فی الحال اور کفار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت

ہیں درجات حاصل ہونے کا کبھی مجھے وسوسہ بھی نہیں ہوتا،
کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے مجھے تو جنتیوں
کی جوتیوں میں بھی جگہ ملجائے تو اللہ کی بڑی رحمت ہو، اس سے
زیادہ کی ہوس ہی نہیں ہوتی اور اتنی ہوس بھی برنبائے استحقاق
نہیں بلکہ اس لئے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں اور یہ جو میں
بضرورت اصلاح زجر و توبیخ کیا کرتا ہوں تو اس وقت یہ مثال میرے
پیش نظر رہتی ہے کہ جیسے کسی شاہزادہ نے جرم کیا ہو اور بھنگی جلاد
کو حکم شاہی ہوا ہو کہ اس شاہزادے کو دُرے لگائے تو کیا اس
بھنگی جلاد کے دل میں دُرے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو
سکتا ہے کہ میں اس شہزادے سے افضل ہوں؟ غرض کوئی مومن
کیسا ہی بد اعمال ہو میں اس کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ فوراً یہ مثال پیش
نظر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی حسین اپنے منہ پر کالیک (سیاہی)
مل لے تو اس کو جاننے والا کالیک کو برا سمجھیگا لیکن اس حسین
کو حسین سمجھیگا اور دل میں کہے گا کہ جب کبھی بھی صابن سے منہ
دہولے گا پھر اُس کا وہی چاند سا منہ نکل آئے گا۔ غرض مجھکو
صرف فعل سے نفرت ہوتی ہے فاعل سے نہیں"۔

سارے تصوف اور ساری صوفیانہ تربیت کا حاصل یہی ہے کہ بندہ کو
بندگی پر قائم رکھا جائے اور اس کے ذہن و فکر سے بڑائی و بزرگی کے ہر شائبہ
کو مٹا کر تواضع کے وصف اعلیٰ سے مزین کیا جائے۔ پس یہاں وہی صاحب

Marfat.com

کمال ہے جو عبدیت پر قائم ہے اور یہ وہ معیار ہے جو خود حق تعالیٰ کا قائم کردہ ہے

وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون

(یعنی انسانوں اور جنوں کو کسی اور بات کیلئے پیدا ہی نہیں کیا گیا۔
بجز اس کے کہ وہ ہمارے غلام بنے رہیں)

مسندِ ارشاد پر

یوں تو حج ثانی کے بعد کانپور ہی سے رشد و ہدایت اور اصلاح باطنی کا کام شروع ہو چکا تھا اور حضرت گنگوہیؒ بھی اپنے بعض بعض مریدوں کو آپ کی خدمتیں بھیجنے لگے تھے اور پھر تھانہ بھون پہنچ کر اس تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا مگر گذشتہ "مرحلہ ہیبت" کے تقریباً سال بھر میں یہ کام رکا رہا اور خود آپ ہی نے اس کو مصلحتاً ملتوی رکھا تھا۔ لیکن جب اس شدید اور آخری مرحلے سے بھی حق تعالیٰ نے گذار دیا تو آپ "مسندِ ارشاد" پر مستقلاً جلوہ فرما ہوئے اور ہمہ تن تزکیہ و تصفیہ خلق کے کام میں مشغول ہو گئے۔ ع

کار پاکان روشنی دگر می است!

محسن کاکورویؒ مشہور نعت گو شاعر کے فرزند مولانا انوار الحسن کاکوروی کا ایک خواب درج ذیل ہے، اس سے آپ کے منجانب اللہ مقام ارشاد پر فائز ہونے اور اپنے وقت کے مجدد ہونے کی بشارت ملتی ہے[1]

---

[1] سچے خوابوں کا بشارت ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے۔

Marfat.com

"میں نے سفرِ حج میں بمقام مدینہ طیبہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے متعلق ایک خواب دیکھا، حالانکہ اس زمانہ میں مجھکو حضرت مولانا سے کوئی خاص عقیدت بھی نہ تھی، البتہ ایک بڑا عالم سمجھتا تھا اور میرا خاندان بھی علمائے حق کا کچھ زیادہ معتقد نہ تھا، غرض حضرت مولانا کا مجھکو مدینہ طیبہ میں کوئی بعید سے بعید خیال بھی نہ تھا کہ ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پر بیمار پڑے ہوئے ہیں اور حضرت مولانا تھانوی تیمارداری فرما رہے ہیں اور ایک بزرگ دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے جن کے متعلق خواب ہی میں معلوم ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔ آنکھ کھلنے پر فوراً میرے ذہن میں یہ تعبیر آئی کہ حضور تو کیا بیمار ہیں حضور کی اُمت بیمار ہے اور حضرت مولانا اس کی تیمارداری یعنی اصلاح فرما رہے ہیں، لیکن وہ بزرگ طبیب جو دور بیٹھے نظر آرہے تھے وہ سمجھ میں نہ آئے کہ کون تھے۔ واپسی ہندوستان پر میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں یہ خواب لکھکر بھیجا اور جتنی تعبیر میری سمجھ میں آئی تھی وہ بھی لکھدی اور یہ بھی لکھدیا کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ بزرگ طبیب کون تھے جو دور بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں اور وہ چونکہ ابھی زماناً بعید ہیں اس لیے خواب میں مکاناً بعید دکھائی دیئے۔[1]"

---

[1] اس میں تو یہی اشارہ ملتا ہے کہ شاید مولانا تھانویؒ اور امام مہدی علیہ السلام کے درمیان اور کوئی مجدد پیدا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مؤلف)

Marfat.com

اسی منشار کا ایک اور خواب واضح تر حکیم الامت کے ایک خلیفہ مجاز اور عالم وفاضل حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مدظلہٗ (حال مقیم لاہور نے) دیکھا تھا وہ بھی درج ذیل ہے۔

"کچھ عرصہ ہوا (یہ تقریباً ۱۳۵۰ھ کا ذکر ہے) خانقاہ شریف کی مسجد کے وسط میں بیت اللہ شریف اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کو دیکھا کہ دونوں بالکل قریب قریب ہیں اور بیت اللہ شریف غالباً حضرت والا کی سہ دری کی طرف ہے لیکن روضہ پاک بھی بیت اللہ شریف ہی کی شکل کا ہے یعنی اس پہ گنبد نہیں ہے اور بیت اللہ شریف اور روضہ پاک دونوں پر اس قدر سبز اور خوبصورت غلاف ہیں کہ دنیا میں ان کی نظیر نہ ہوگی اور دونوں پر شعاعیں اور انوار معلوم ہوتے ہیں، حضرت والا بیت اللہ شریف کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور اس قدر خوش ہیں کہ ایسا ہشاش بشاش میں نے حضرت والا کو کبھی نہیں دیکھا، نیز ایک کھجور کی ٹہنی بطور جھاڑو کے دست مبارک میں لیئے ہوئے ہیں جس کی ڈنڈی ہیں دستہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر شاخیں نکلی ہوئی ہیں اور یہ ارادہ فرما رہے ہیں کہ بیت اللہ شریف اور روضہ پاک کے ارد گرد جو غبار ہے اس کو دور فرمائیں۔"

سبحان اللہ کس وضاحت سے حکیم الامت کے مصلح امت محمدؐ یہ اور مجدد سنت مطہرہ ہونے کو عیاں کیا گیا ہے!

چنانچہ آپ نے تھانہ بھون کے گوشہ میں بیٹھ کر، دولت وجاہ کو ٹھکرا کر جو مسلمانوں کی حقیقی خدمت انجام دی اور اس ذریعہ سے ان کے قلوب کی

بادشاہی حاصل کی وہ کم کسی کے نصیب میں آتی ہے۔

صرف ہندوستان کے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب ہی سے نہیں بلکہ ایران کے سبزہ زاروں، آفریقہ کے ریگستانوں، رنگون کے ساحلوں اور برطانیہ کی تاریکیوں سے بھی روشنی کے طالب آئے اور اس شمع ضیا رپاش سے اپنی اپنی بساط بھر روشنی حاصل کر گئے ـــــ وہ بھی آئے جنکی پیاس اور چشموں سے نہ بجھتی تھی اور اس دریائے پرآب نے انھیں سیراب کر دیا۔

مریدین اور معتقدین کی آمد سال کے ۱۲ مہینوں ایسی متواتر و مسلسل رہتی تھی کہ حکومت نے اس کی وجہ سے قصبۂ تھانہ بھون کو ایک مستقل ریلوے اسٹیشن قرار دیا، اور اس "دکان معرفت" پر خریداران علم و عرفان کا وہ ہجوم ہوا جو حضرت سلطان الاولیا قدس سرہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعد تاریخ ہند میں شاید اپنی نظیر آپ تھا!

مریدین اور معتقدین میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ہزار تھے حالانکہ اس بازار میں یہ جنس ایسی ارزاں نہ تھی جیسی اور جگہ ملتی ہے، اس کے باوجود "مجازین" کی تعداد (۱۳۹) تک پہنچ گئی تھی، جس میں (۷۰) "مجازین بیعت" ہیں جن کو اصطلاح عام میں خلفاء کہا جاتا ہے۔ اور (۵۹) "مجازین صحبت" ہیں جن کو بیعت کرنے کی تو اجازت نہیں لیکن صرف تبلیغ کی اجازت حاصل ہے، پھر مذکورہ بالا خلفاء میں نہ صرف وہ ہیں جو علوم ظاہری پر کم عبور رکھتے ہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو اپنے وقت کے علامہ اور اپنے دور کے کامل اساتذہ ہیں، مثلاً سید الہ ی دمطاعی حضرت علامہ سید سلیمان

Marfat.com

ندوی مدظلہ جن کی علمی جامعیت اور خصوصاً تاریخ و عربی ادب میں تبحر عالم آشکارا ہے۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی جن کا تفقہ مسلم ہے

(۳) حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی جو علماء کی صف میں علوم فلسفہ میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

(۴) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ممتاز استاذ رہے ہیں۔

(۵) حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی جو مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں۔ وغیرہ۔

حکیم الامت کو یہ شرف بھی ملا تھا کہ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دور میں اکثر علماء و اتقیاء آپ ہی کے خوان فیض کے زلہ بردار تھے اسی طرح اس دور کے تقریباً سارے علماء اسی دریائے فیض سے سیراب و سرشار تھے۔ ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!

اب اس عنوان کے خاتمہ پر چند خواب نقل کئے جاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کی محبوبیت اور آپ کے طریق کی صحت کا پتہ چلتا ہے۔ ویسے صاحب نظر کیلئے تو کھلی کھلی علامات اتنی ہیں اور ایسی روشن ہیں کہ ان "منامیات" کی کچھ حاجت نہ تھی، تاہم چونکہ بعض لوگوں کا ذوق "حدیث خواب" ہی سے تسکین و تشفی پاتا ہے،

Marfat.com

اور بحمد اللہ یہاں اس کی بھی کچھ کمی نہیں، اس لیے مشتے نمونہ از خروارے پیش ہیں -

(۱) ایک واقعہ حضور (یعنی حکیم الامتؒ) کو احقر نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ گفتگو فرما رہے ہیں اور بھی بہت سے علما رحاضر خدمت ہیں لیکن سب کی طرف سے حضور ہی کو دیکھا کہ سوال فرماتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارشاد فرماتے ہیں اور سب سے اقرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضور ہی کو دیکھا -

(محمد عتیق اللہ - تھانہ سرائیل گادن - بنگال)

اس سے حکیم الامتؒ کے دور حاضر میں اخص علما ، وصلحا ہونے کی بشارت ملتی ہے :-

(۲) احقر کو پنجشنبہ میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور یہ دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم احقر کے والد صاحب مدظلہٗ کی دوکان پر تشریف فرما ہیں اور حضرت والا کی تصنیف کردہ کتابیں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ہیں "

(عبدالمنان خاں دہلوی حال مقیم رنچھوڑ لائن کراچی)

اس رویا میں تصنیفات و تالیفات اشرفیہ کی مقبولیت کا کھلا اشارہ ہے

ایک محسنؒ کی یاد پر دو آنسو :- اب کس قلم سے صاحب خواب کے والد ماجد کے نام کے ساتھ مدظلہٗ لکھا جائے آہ کہ یہ سایہ بھی اٹھ چکا اب مرحوم حضرت حاجی محمد عثمان خاں

(۳) "احقر نے دیکھا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستہ سے چلتے ہیں اور ان کے پیچھے آنحضور رح (یعنی حکیم الامت رح) بھی اور ان کے بعد بندہ بھی غرض تینوں ایک ساتھ چلتے ہیں"۔ (الرکا نپور)

اس سے مسلک اشرفیہ کے عین مطابق سنت ہونیکی تصدیق ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

صاحب دہلوی رح، حکیم الامت کے خلفائے قدیم میں سے تھے۔ نوجوانی سے حضرت کے ساتھ رہتے تھے اور آخر کار خلافت سے ممتاز ہوئے۔ مرحوم کو اپنے شیخ سے اس درجہ محبت تھی کہ ساری عمر یہ معمول بنا رکھا تھا کہ مہینہ میں تین دن ضرور شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے، جب شیخ کا وصال ہوا تو غم اسدرجہ غالب رہا کہ مہینوں روتے رہے اور بصارت کے زائل ہونے کا قوی امکان ہوگیا۔ ایسے میں شیخ کی رویت نصیب ہوئی دیکھا کہ گلے لگا کر ان کے شانوں پر بوسہ دے رہے ہیں، اس دن سے سکون میسر آیا۔ مرحوم مولانا تھانوی رح کے مواعظ اور انکی تصنیفات کے قدیم ناشر تھے اور ایک ماہوار رسالہ "الانفار" کے ذریعہ مواعظ کی تشہیر کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی آکر اس کام کو تا آخر حیات جاری رکھا۔

احقر جب کراچی آیا تو نیاز مندانہ حاضر خدمت ہوا۔ مرحوم کی درویشی، سادگی اور محبت و شفقت نے بار بار کی حاضری پر مجبور کیا۔ اس زمانہ میں موصوف کو ریاحی تکالیف تھیں، احقر کے فن ہومیوپیتھک سے لگاؤ کا علم ہوا تو اصرار سے علاج کروایا اور اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی، اس طرح عقیدت و شفقت کا علاقہ اور مستحکم ہوا۔ لیکن سب سے زیادہ جس وجہ سے مرحوم کی عنایات احقر کے شامل حال رہیں وہ سید نی وسیدالمسلمین

Marfat.com

(۴) جمعۃ الوداع کی شب کو فدوی نے ایک خواب دیکھا کہ بندہ کسی جگہ پر بیٹھا ہوا حلقہ کر رہا ہے۔ اور اوپر سے ایک تخت نمودار ہوا جس میں چار چراغ روشن تھے۔ اور چار ہی اصحاب نظر آئے۔ وہ اصحاب مجھے تخت پر بٹھا کر اپنے ہمراہ لے گئے اور پھر جنگلوں کی طرف لے گئے۔ اور پھر سمندر بھی نظر آیا اور اس سمندر کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ سے میری نسبت ارادت تھی۔ مرحوم کو حضرت سیدی سے محبت ہی نہیں عقیدت تھی جس کا اظہار بار بار فرماتے تھے:

ایک دفعہ دہلی میں حضرت سیدی مدظلہٗ خود مرحوم کی دوکان پر جا کر ملے تھے اور مرحوم سے فرمایا تھا کہ "یہ توشۂ آخرت کی ملاقات ہے"۔ اس واقعہ کو مرحوم نے کتنی بار سنایا اور روتے ہوئے فرمایا کہ یہ تیر آج تک دل میں چبھا ہوا ہے۔

مرحوم اپنے والد کی طرف سے حج بدل کا ارادہ رکھتے تھے اور پورے سامان کر چکے تھے مگر فالج کے پے در پے حملوں نے اس کو پورا ہونے نہ دیا اور آخر رمضان ۱۳۶۹ھ میں محبت و شفقت کا یہ سایہ ہمیشہ کے لیئے اٹھ گیا۔

دوران مرض میں احقر سے ۲ دو وصیتیں کی تھیں، فرمایا تھا: "حالت رنج والم میں چونکہ عزیزوں کو ہوش نہیں رہتا اس لیئے آپ سے کہتا ہوں کہ (۱) میری نماز جنازہ کے لیئے مولوی محمود الغنی صاحب (جو مرحوم کے ہمرنگ پیر بھائی اور مولانا تھانوی کے خلیفہ ہیں) سے عرض کریں کیونکہ ہمارے حضرت ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ (۲) میری قبر کہیں ایسی جگہ بنائیں کہ جلد پیروں میں روندی جا کر مٹ جائے"۔

سکے اوپر سے بھی وہ تخت گزر گیا، پھر اسی طرح منزل بہ منزل چلتے ہوئے ایک مسجد دکھائی دی۔ یہاں پر وہ تخت ٹھیرا وہاں نماز پڑھی اور اس مسجد کی پچھلی طرف ایک نہر بھی چلتی تھی، اس نہر میں سے انہوں نے اور میں نے پانی پیا پھر وہاں سے تخت پر بیٹھکر ایک بازار آیا وہاں سب طرح کا سامان بک رہا تھا۔ انہوں نے اس تخت کو بازار میں ٹھیرایا۔ اور ایک دوکان پر لکھا ہوا تھا "یہاں پر رشیدیہ اور اشرفیہ کتابیں مل سکتی ہیں" تو میں نے اسے پڑھکر اُن بزرگوں سے دریافت کیا کہ مجھے مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب کی کتابیں دیدو۔ انہوں نے چار کتابیں مجھے دیں اُن سے وہ کتابیں لے کر پھر اُسی تخت پر بیٹھا کر رخصت ہوئے۔ پھر ایک سفید مکان دکھائی دیا۔ جس پہ سبز پردے پڑے تھے وہاں تخت ٹھیرا اس کمرہ کے اندر چاروں بزرگ مجھے بھی لے گئے اور اس کمرہ کی روشنی اس قدر تھی کہ تاب نہیں لاسکتا تھا اور نہ چراغ نہ بتی دکھائی دیتی تھی، وہاں پر تکیہ اور قالین بچھا ہوا تھا۔ جس پر سرور جہاں صلی اللہ علیہ وسلم مع چاروں اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے موجود تھے۔ اور ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ان وصایا پر عمل اس طرح ہوا کہ مولانا محمود الغنی صاحب مدظلہ کو عذر شرعی ہونیکی وجہ سے حکیم الامۃ کے بھانجے مولانا احتشام الحق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور شہر سے بہت دور ایک گوشہ میں ۲ بجے رات کی تنہائی میں اس درویش کے جسم کو پیوند خاک کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ چند ہی دنوں بعد ایک مرتبہ بارش جو ہوئی تو قبر بے نشان تھی، مگر بعد میں ورثا نے پھر مٹی ڈالکر اس کا نشان قایم کر دیا۔ خیر مرحوم کی تمنا تو پوری ہو گئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! (مؤلف)

Marfat.com

کو سفید اونی کپڑے پہنائے جارہے تھے، کپڑے پہننے کے بعد اسی تکیہ سے کمر لگا کر بیٹھ گئے اور میں دروازہ کے باہر اُن کے سامنے کھڑا ہوا ہوں تو پھر مجھے انہوں نے اندر بلالیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شریف احمد ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کو بلالو۔ یہ مولانا اشرف علی صاحب کا خادم ہے" میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور مصافحہ کیا، وہاں پر ایک گلاس پانی کا آیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا اور پھر چاروں اصحاب نے پی کر مجھے بھی دیا اور میں نے بھی پیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "مولانا صاحب کی کتابوں پر عمل کرتے رہنا اور دوسروں کے کہنے سے مت رُکنا"

(شریف احمد سقہ گنج پوری تحصیل وضلع کرنال)

اس رویا سے حکیم الامتؒ کے مرتبۂ عالی آپ کے سلسلہ کی صحت و مقبولیت آپ کے فیوض علمی کی حقانیت اور اس دور میں آپ کے متروکہ خزانۂ علمی کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔

۵ؔ۔ ڈھاکہ (مشرقی بنگال) میں ایک بزرگ نے جو حکیم الامتؒ کے شناسا نہ تھے۔ خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں "اشرف علی صاحب کو میرا سلام پہونچا نا" اِن بزرگ نے عرض کی حضور میں تو اُن سے واقف نہیں، ارشاد ہوا "ظفر احمد کے ذریعہ" (یہ بزرگ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ، جو حکیم الامت کے حقیقی بھانجے ہیں اور ڈھاکہ ہی میں مقیم ہیں ان سے واقف تھے) چنانچہ صبح کو ان بزرگ نے مولانا ظفر احمد صاحب سے واقعہ کا اظہار کیا اور مولانائے موصوف

Marfat.com

نے اس کی اطلاع حکیم الامت کی خدمت میں کردی۔ جب حکیم الامت تک یہ مژدہ پہونچا ہے تو آپ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور بیساختہ زبان سے نکل گیا کہ "وعلیک السلام یا نبی اللہ" اور اس کے بعد فرمایا کہ آج تو دن بھر صرف درود شریف ہی پڑھوں گا اور باقی سب کام بند!!

اس سے حکیم الامت کی شانِ عالی اور عنداللہ آپ کی مقبولیت و محبوبیت عیاں ہے۔

Marfat.com

علالت و رحلت

رشد و ہدایت کا وہ آفتاب جو ۱۲۸۰ھ میں مطلع تھانہ بھون سے نمودار ہوا اور ۱۳۱۵ھ سے دنیا میں شریعت و طریقت کے انوار پھیلاتا رہا، بالآخر ۱۳۶۲ھ میں ہمیشہ کیلئے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تاریخ وفات سے شاید پانچ برس پہلے ہی سے معدہ و جگر نے عاجز کر رکھا تھا۔ کبھی قبض ہوتا تو ہٹنے کا نام نہ لیتا اور کبھی اسہال ہونے لگتے تو ہوتے ہی چلے جاتے، مختلف اعضاء ورم کر گئے، علاج برابر ہوتا اور حق تعالیٰ کی اُس امانت کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی مگر تدبیر ہی تو بندہ کے اختیار میں ہے اور ایسے ہی موقعوں پر تو اس کا اختیار اور اس کی مجبوری سمجھ میں آتی ہے، غرض یہ کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ بالآخر بھوک بھی تقریباً بند ہو گئی، نحیف و ناتوان اور صاحب فراش ہو گئے۔ اکثر غنودگی سی کیفیت طاری رہنے لگی مگر جب بھی ہوش آتا اور جتنی دیر بھی رہتا اپنے عارفانہ کلمات اور حکیمانہ جوابات سے حاضرین و خادمین کو تقریر و تحریر سے مستفیض فرماتے انہیں باتوں کو دیکھ دیکھ کر یہ عقیدہ کھلا کہ یہ غنودگی کے دورے نہ تھے بلکہ "ربودگی" و "استغراق" کی کیفیات تھیں۔

Marfat.com

ورنہ کسی کی عقل مان سکتی ہے کہ اس درجہ کے ضُعف میں بار بار کے دوروں کے باوجود عقل و فکر کچھ بھی متاثر نہ ہوں؟

مثلاً دیکھئے کہ عین اس چل چلاؤ کی حالت میں (۳۰۰) روپیہ کا ایک منی آرڈر آیا اس میں لکھا تھا :-

"میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر کاروبار میں کامیابی ہوگی تو تین سو روپیہ حضرت والا کی خدمت میں بھیجوں گا چنانچہ حسب مرسلہ خدمت ہیں، آپ مالک ہیں جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اس کا جواب آپ نے اپنی ناتواں انگلیوں سے بہ دقت تمام یہ تحریر فرمایا۔

"پہلے تو تم نے لکھا ہے کہ "آپ مالک ہیں" بعد کو اختیار خرچ کرنے کا دیا ہے۔ اور یہ صیغہ "توکیل" کا ہے۔ چوں کہ مالک بنانے اور وکیل بنانے میں شرعاً فرق ہے، لہٰذا واپس کیا جاتا ہے۔"

حفظ شریعت کا ایسا خیال اور اس کا اتنا اہتمام کسی غائب دماغ سے ممکن بھی ہے؟

بنگال سے ایک معتقد با اخلاص کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کی وفات کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ خواہ وہ دنیا میں رہنا پسند کرے یا اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا پسند

Marfat.com

لکھکر اس میں لکھا تھا کہ میرے اعتقاد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین خاص کو بھی اس اختیار خاص سے حسب استعداد حصہ ملتا ہوگا اس لیئے عرض ہے کہ ہم ناقصوں کی تربیت کیلئے حضرت والا چند روز اور اس دنیا میں قیام منظور فرمائیں خط کے جواب میں لکھوا دیا۔

"تم اپنے دماغ کا کسی حاذق طبیب سے علاج کراؤ"۔ پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا:۔ "اول تو یہ ثابت نہیں کہ جو انبیاء (علیہ السلام) کو ملتا ہے اس میں اولیاء و مشائخ کو بھی حصہ ضرور ہی ملتا ہے۔" اور اس کے بعد فرمایا اور اگر ایسا ہے بھی تو اُن انبیاء نے کیا کیا۔؟ "

(یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ہی کو دنیا پر ترجیح دی)

اسی حالت میں آپ نے اپنے مرید رشید خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ مجذوبؔ سے متعلق فرمایا کہ ان کا ایک شعر مجھے اس درجہ پسند آیا کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھی ہوتا تو اس کے عوض دے دیتا اور پھر بڑے مؤثر انداز میں یہ شعر پڑھا ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی"

مرض الموت کے دن گذرتے گئے، دوشنبہ ۱۵ رجب ۱۳۶۲ھ کو صبح سے مسلسل دست آنے لگے۔ کمزوری و نقاہت نے رفع حاجت کے لیئے بستر چھوڑنے کی طاقت بھی نہ رکھی تھی، لاچار بار بار کپڑے بدلے جانے رہی خود صاحب مرض کو صفائی و طہارت، نماز و ادائی حقوق کا اہتمام تادم آخر

Marfat.com

برابر رہا ــــ اسی دوشنبہ کو بعد مغرب اپنی چھوٹی اہلیہ سے پوچھا " میں دونوں کا مانا ہوا رخم تو دیکھ چکا ہوں "

تسلی دلائی گئی " ہمیں بہت کچھ مل چکا ہو، آپ دے چکے ہیں، بے فکر رہیں "

پھر فرمایا آج تو ہم جا رہے ہیں "

اہلیہ نے عرض کی کہاں " ؟ ــــ ارشاد ہوا " تم نہیں جانتیں ؟ " ــــ

اس کے بعد جو غشی طاری ہوئی تو سوا گھنٹے تک طاری رہی ۔ سانس تیز آواز سے چلتی رہی، جب سانس اوپر آتی گنتی دیکھنے والیوں نے دیکھا کہ آپ کی درمیانی اور شہادت کی انگلی کے بیچ میں ہتھیلی کی پشت سے ایک ایسی تیز روشنی نکلتی تھی کہ جلتے ہوئے برقی قمقمے اس کے سامنے ماند پڑ جاتے تھے ۔ یہ روشنی سانس کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ آتی جاتی رہی اور جب وہ ختم ہولی تو یہ بھی غائب ہو گئی ۔

کیا عجب کہ جن انگلیوں سے حقایق و معارف ایک عرصہ تک معرض تحریر میں آتے رہے، یہ نور اسی کا ہو !

بہر کیف محفل دوشین کا وہ چراغ جو کئی برس سے مرض کے تند و تیز جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل سنبھل جاتا تھا ۔

بالآخر سہ شنبہ کی شب (یعنی ۱۶ و ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ م ۱۹ و ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی رات) ۸۲ سال ۳ ماہ ، ۱۱ دن کی عمر پا کر ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اس سانحۂ عظیم کی اطلاع ہوا کی طرح پھیل گئی اور بجلی بنکر علماؤ عشاق کے قلوب پر گری، صبح ہوتے ہوتے ہزاروں محبت کے مارے جو پہلے کس مسرت و جوش سے اور کن کن امنگوں اور آرزوؤں کو لئے چلے آتے تھے، آج حسرت میں غرق فریادی اشکوں کے ساتھ سمٹتا آئے ؎

سرو سمینا بصحرا میروی — سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشاگاہ عالم روی تو — تو کجا بہر تماشا میروی

سہارن پور اور دوسرے شہروں سے اسپیشل ٹرینیں آئیں اور ہزاروں شیدائیوں کے ساتھ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کا جنازہ نکلا۔ ع

"عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے"

عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھائی گئی اور پھر آپ ہی کے وقف کردہ تکیہ میں جس کا تاریخی نام "قبرستان عشق بازان" تھا اس عاشق بامراد کے جسم ناسوتی کو پیوند خاک کر دیا گیا۔

سارے ملک میں کہرام مچا اور ساری بڑی بڑی درسگاہوں اور خانقاہوں میں اس رحلت سے اداسی چھا گئی کہ "موت العالِم موت العالَم" (عالم کی موت دنیا کی موت ہے)!—

ملک کے سربرآوردہ اخباروں اور رسالوں میں حکیم الامت کے علمی و عملی کارناموں اور آپ کے جامع فیوض برکات پر متعدد مضامین نکلے!

حضرت رحمۃ اللہ کے متعلقین سے متعلق یہ بات حاجی محمد عثمان خان صاحب

(مالک کتبخانہ اشرفیہ) کی زبانی احقر نے سنی ہے کہ جو حضرات شریک جنازہ تھے ان کو پھر بھی جلد آرام و سکون میسر آیا لیکن جن کو محرومی رہی ان کی آتش فراق ایک عرصہ بعد جا کر فرو ہوئی۔

اے آتش فراقت جانہا کباب کردہ!

اب ذیل میں وہ پر اثر نظم درج کیجاتی ہے جو حضرت سیدی مدظلہٗ نے اپنے شیخ کے وصال پر کہی ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں رنج و الم کی گھٹاؤں میں فیوضِ شیخ کے بقا کی پر امید ہوائیں چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، طبیعت کا یہ کمالِ اعتدال حکیم الامت کے ایک خلیفۂ مجاز اور فیض یافتہ ہی میں پایا جا سکتا ہے ؎

Marfat.com

وصالِ شیخ

داغ فراقِ یار مٹایا نہ جائیگا — اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا
حرفِ پیام[1] وداع "خدا کے سپرد ہو" — تا آخرِ حیات بھلایا نہ جائیگا

(خیالِ سر بالیں)[2]

دل بھر کے دیکھ لو یہ جمالِ جہاں فروز — پھر یہ جمالِ نور دکھایا نہ جائیگا

---

[1] صاحبِ نظم دامت برکاتہم، حضرت اقدس سرہ کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے (۷ تا ۱۱ جولائی ۱۹۴۳ء کے درمیان) حاضرِ خدمت تھے، سرکار بھوپال کی ایک ضروری دعوت پر بھوپال جانے پر مجبور تھے۔ ۱۱ جولائی ۱۹۴۳ء کو صبح کی مجلس کے بعد رخصت کی درخواست پیش کی تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے باایں ہمہ ضعف قوت لیٹے ہی لیٹے دونوں ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھائے اور فرمایا "جاؤ خدا کے سپرد کیا"۔ — کیا عجیب بات ہے کہ یہ ٹھیک ٹھیک وہی الفاظ ہیں جو شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب رح نے ہندوستان چھوڑتے وقت اپنے خلیفۂ رشید حضرت مولانا گنگوہی رح سے فرمائے تھے۔ (دیکھو "امداد المشتاق" مؤلفہ مولانا تھانوی رح) [2] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۷ پر

گوشِ جہاں بغور سُنے اِس کلام کو — پھر یہ کلام شوق سنایا نہ جائیگا
اے میکشو یہ دورِ تہہ جام بھی پیو — تر سو گے پھر یہ جام پلایا نہ جائیگا

اے دل خموش صبر و رضا کا مقام ہے — نقش دوامِ فیض مٹایا نہ جائیگا
پیرِ مغاںؒ نہیں ہے مگر میکدہ تو ہے — جام و سبو یہاں سے ہٹایا نہ جائیگا
یونہی بچھا رہیگا یہاں خوانِ فیضِ عام — جب تک ہیں میہمان بڑھایا نہ جائیگا

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
یونہی جلا کریگا، بجھایا نہ جائے گا

ﮯ مذکورہ موقع ہی پر حضرت سیدی مدظلہٗ جب حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے اپنی محبت سے اپنے سرہانے ایک کرسی پر بیٹھنے کا امر فرمایا۔ حضرت والا پر غنودگی یا استغراق کا عالم بار بار طاری ہو جاتا تھا اور آنکھیں بند فرما لیتے تھے، صاحب نظم مدظلہٗ اپنے رومال سے مگس رانی کرتے رہے، اسی عالم میں یہ خیالات ان کے دل و دماغ میں گزرتے رہے۔

(تفصیل کیلئے دیکھو حضرت سیدی مدظلہٗ کا مضمون "موت العالم موت العالم")

باب دوم

(آثارِ علمیہ)

Marfat.com

جامعیت آثار

"حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و دینی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ ان سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں ہو سکتا۔ اور یہی ان کی جامعیت ہے جو ان کے اوصاف و محامد میں سب سے اوّل نظر آتی ہے۔

وہ قرآن پاک کے حافظ ہیں مترجم ہیں۔ مجوّد ہیں مفسر ہیں، اس کے علوم و حکم کے شارح ہیں، اس کے شکوک و شبہات کے جواب دینے والے ہیں، وہ محدث ہیں، احادیث کے اسرار و نکات کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ وہ فقیہ ہیں، ہزاروں فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہیں، نئے سوالوں کو حل کیا ہے، نئی چیزوں کے متعلق انتہائی احتیاطوں کے ساتھ فتوے دیئے ہیں، وہ خطیب تھے، خطیب ماثورہ کو یکجا کیا ہے، وہ واعظ تھے اُن کے سیکڑوں وعظ چھپ کر عام ہو چکے ہیں۔ وہ صوفی تھے تصوف کے اسرار و غوامض کو فاش کیا ہے۔ اِن کی مجلسوں میں علم و معرفت اور دین و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے، اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں، وہ ملفوظات ہیں۔ جن کی تعداد بیسیوں تک پہونچی ہے۔ وہ ایک

Marfat.com

مرشد کامل تھے، ہزاروں مسترشد و مستفید ان کے سامنے اپنے احوال و واردات پیش کرتے تھے، اور وہ اُن کے تسکین بخش جوابات دیتے تھے، اور ہدایات بتاتے تھے، جن کا مجموعہ "تربیۃ السالک" ہے۔ انہوں نے بزرگوں کے احوال و کمالات کو یکجا کیا۔ اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا، ان کی متعدد کتابیں اس مضمون پر ہیں انھوں نے حضرات چشت کے احوال و اقوال میں سے بظاہر اعتراض کے قابل باتوں کی حقیقت ظاہر کی اور اس کی تاویلات کیں، ان کی کتابوں کے خلاصے، اقتباسات اور تسہیلات ان سے الگ ہیں۔ جن کی ترتیب ان کے مسترشدوں نے کی ہے۔

"وہ مصلح امت تھے" امت کے سیکڑوں معائب کی اصلاح کی، رسوم و بدعات کی تردید، اصلاح رسوم اور انقلاب حال پر متعدد تصانیف کیں۔ وہ حکیم امت تھے، مسلمانوں کے علاج اور نشاۃ ثانیہ پر "حیوٰۃ المسلمین" اور "صیانۃ المسلمین" وغیرہ رسائل تالیف فرمائے غرض ان کی زندگی میں مسلمانوں کی کم کوئی ایسی مذہبی ضرورت ہوگی، جس کا مداوا اس حکیم الامتؒ نے اپنی زبان و قلم سے نہیں فرمایا، اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر میں آسکتا ہے۔

ان کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول و عرض میں پھیلیں اور ہزاروں مسلمانوں کی صلاح و فلاح کا باعث ہوئیں۔ اردو عربی کے علاوہ مسلمانوں نے اپنے ذوق سے ان کی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی کیا، چنانچہ متعدد کتابوں کے ترجمے انگریزی، بنگالی، گجراتی اور

Marfat.com

مسند ہی میں شائع ہوئے۔

ان تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں آٹھ سو کے قریب ہے۔ سنہ ۱۳۵۴ھ میں ان کے ایک خادم مولوی عبدالحق صاحب فتحپوری نے ان کی تصانیف کی ایک فہرست شائع کی تھی جو بڑی تقطیع کے پورے (۸۶) صفحوں کو محیط ہے، اس کے بعد کے نو برسوں میں جو رسائل یا تصانیف ترتیب پائیں وہ اُن کے علاوہ ہیں کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو یہ صدی جو مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملو ہے اور جس کا اہم کارنامہ خواہ حق کے اثبات و اظہار میں ہو یا باطل کی نشر و اشاعت میں، پریس اور مطبع ہی کی برکات ہیں۔ زبان و قلم اس صدی کے مبلغ ہیں اور رسائل و منشورات دعوت کے صحیفے ہیں، اس بنا پر مناسب تھا کہ صدی کے مجدد کی کرامت بھی انہی کمالات میں جلوہ گر ہو

علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں، جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیئے جائیں۔ تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے، امام جریر طبری۔ حافظ خطیب بغدادی امام رازی، حافظ ابن جوزی، حافظ سیوطی وغیرہ متعدد نام اس سلسلہ میں لئے جا سکتے ہیں، ہندوستان میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے نام بھی اس سلسلہ میں داخل ہیں، اس سلسلہ کا اخیر نام مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کا ہے۔

مولانا کی تصانیف کی انواع

مولانا کے رسائل اور تصانیف کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے مگر ان میں چھوٹے چھوٹے رسالے بھی ہیں جن کو نئی اصطلاح میں مضامین و مقالات کہتے ہیں، داخل ہیں۔ ان میں بعض اتنے مختصر ہیں کہ صرف صفحے دو صفحے میں ہیں۔ بعض ایسے ضخیم ہیں کہ کئی کئی جلدوں میں ہیں:-

زبان

بیشتر تصانیف نثر میں اور اردو زبان میں ہیں، البتہ بارہ تیرہ رسائل و کتب عربی زبان میں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔
[1] سبق الغایات فی نسق الآیات - [2] انوار الوجود - [3] التجلی العظیم - [4] حواشی تفسیر بیان القرآن - [5] تصویر المقطعات - [6] التلخیصات العشر - [7] مائۃ دروس - [8] خطبۃ الماثورہ - [9] وجوہ المثانی - [10] سبغ سیارہ، [11] زیادات، [12] جامع الآثار - [13] تایید الحقیقۃ

اور تین فارسی ہیں:- [1] مثنوی زیر و بم - [2] تعلیقات فارسی - [3] عقاید بانی کالج۔

نظم و نثر

نظم میں مولانا کی تصنیف صرف یہی ایک "مثنوی زیر و بم" ہے اور یہ طالب علمی کے بعد ہی لکھی ہے۔ بظاہر اس میں ایک بیوقوف عاشق اور چالاک معشوق کا قصہ ہے۔ مگر درحقیقت یہ نفسِ انسانی کی بصیرت افروز حکایت ہے۔ ایک اور نظم اورادِ رحمانی کے آخر میں ہے۔

مولانا کو فارسی کے بے شمار اشعار یاد تھے۔ حافظ اور مولانا روم کے اشعار بیشتر نوک زبان تھے اور نظم کا ملکہ اور سلیقہ بھی تھا۔ مگر کبھی اس سے کام نہیں لیا۔ ایک دفعہ میں نے اپنے برادر گرامی قدر مولوی مسعود علی صاحب

Marfat.com

زندوی) کو جو تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ اپنے حاضر ہونے کے قصد سے مطلع کیا اور ریاض مرحوم کا یہ مصرعہ لکھ دیا۔ ع

زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

برادر موصوف نے یہ اطلاع مولانا کو دی اور یہ مصرعہ بھی سنا دیا تو فوراً "فقیروں" کو بدل کر یوں فرمایا۔

زندگی ہے تو سلیماں کا بھی پھیرا ہوگا

ایک دفعہ حضرت نے خاکسار کو ایک تسبیح عنایت فرمائی تو خاکسار نے ایک بیت کہی ؎

خواجہ بخشید مرا سبحۂ صد دانہ بلطف ۔۔۔ دانہ انداخت و در حلقہ مرا کرد اسیر

وصل مرحوم نے موقع سے حضرت کو یہ سنا دیا، تو فرمایا: "تو بھی مجھے بھی اس کا جواب لکھنا پڑے گا!" مگر کچھ فرمایا نہیں۔ سب سے آخیر میں جب خاکسار نے از خود، حضرت کی تحریک اور اشارے کے بغیر اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع و اعتراف کا مضمون معارف میں شایع کیا اور ملاحظہ کے لیے بھیجا۔ تو بہت مسرت ظاہر فرمائی اور مثنوی کے وزن پر دس بارہ شعر لکھ کر بھیجے۔ جو اس ہیچ میرز کے لئے وجہ سعادت ہیں۔

یہ غالباً آخری نظم کی تصنیف ہے۔ اور اس کا نام بھی حضرت نے لکھ دیا ہے[۱]۔

---

[۱] نظم یہ ہے:—

Marfat.com

اعتراف (یعنی اخذ اعلان) از اعتراف (یعنی رجوع سلیمان)

لمثل ھذا فلیعمل العاملون وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون

(اقتباس از غیب دلپذیر، از مثنوی رومی بتصرف یسیر)

از سلیمان گیر اخلاص عمل وان توندی را بنره از دغل

اے دلت معمور از اسرار حق اے دلت مخمور از آثار حق

بشارت

اے دلت پر نور از انوار حق اے دلت مسرور از اخبار حق

دعا

صد مبارک باد ایں اظہار حق صد مبارک باد ایں اقرار حق

مشورہ

لیک باشد اس طریق نفع خاص کہ بہ اہل علم دارد اختصاص

سعی نفع عام اینجا واجب است آنکہ نافع بہر ہر طالب است

تفسیر نفع عام

در کلام خود نظر خود کردنی یا کہ نقادے بدست آوردنی[۱]

ہمچناں کردم بہ تالیفات خویش صرف ہم کردم پئے او نقد بیش

معذرت

گرچہ ناظم نیستم ابیات را نثر کردم لیک ایں جذبات را

مقصدم خیر خواہی ہست وبس بوکہ با رغبت نہند در گوش کس

اشرف علی ۲۷ محرم ۱۳۶۱ھ

[۱] چنانچہ حضرت سیدی مدظلہ نے فرمایا کہ سیرۃ النبی کی جلدوں پر نظر ثانی کی

موضوعاتِ تصانیف تصانیف کا بیشتر حصہ اصلاحی اور فقہی ہے اور کمتر درس کے متعلق تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں، مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علوم الحدیث، کلام و عقاید، فقہ و فتاوی، اور سلوک و تصوف اور مواعظ اکثر ہیں۔

قرآن پاک کی خدمت اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے یعنی قرآن پاک، مولانا نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی وہ بجائے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے۔ کانپور

تو صرف دو[2] مسائل میں رجوع کرنا پڑا ایک تو معراج کا مسئلہ جس میں پہلے رجحان امام ابن تیمیہ رح کی طرف تھا اور دوسرے خلود فی النار کا مسئلہ + (مؤلف)

نظم تو آخری یہی ہے۔ البتہ وفات سے چند ہی روز پہلے ایک شعر ادا ہوا ہے مشہور شاعر جگر مرادآبادی نے اپنی ایک فارسی غزل جو خود انکو بھی بہت پسند تھی حکیم الامت رح کی خدمت میں عقیدت مندانہ لکھ بھیجی جس کا ایک مصرعہ یہ تھا۔ ع

نہ بہ مطربے، نہ بہ شاہدے، نہ بہ حالِ غنی خوشم!

آپ نے اس کے جواب میں لکھا۔ آپ کے تر اور رنگین جذبات نے میرے ایک خشک جذبہ کو حرکت دیکر مجھ سے بھی ایک شعر کہلوایا جس کو ایک اہل کمال کے سامنے پیش کرنا اس لیے مناسب نہیں کہ ایک صورت دعوی کی سی ہو۔ لیکن بامید نفع پیش کرتا ہوں۔ گو وہ شعر رنگین نہیں مگر سنگین ہے ۔

"نہ بنظم شاعر خوش غزل، نہ بہ نثر ناثر بے بدل	بہ غلامی شہ عز و جل، و لعینہ اشتقی بی خوشم"

Marfat.com

جبرامت
کے زمانہ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے وہاں حبرامت اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم علمہ الکتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ اس رویا کے بعد سے میری مناسبت قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رویا اسی کی طرف اشارہ تھا۔

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی بلکہ لفظاً و معنیً دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے اور بڑے جید حافظ وہ قاری تھے۔ اور فنون تجوید و قرأت کے بڑے ماہر، اخیر زمانہ میں پانی پت کو قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی کی برکت سے قرأت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہو گئی تھی، مولانا ایک دفعہ جب پانی پت گئے تو لوگوں نے ان کو بالقصد کسی جہری نماز کا امام بنایا، مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر ایسی قرأت فرمائی کہ قاریوں نے تعریف کی کہ صحت مخارج کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر موثر قرأت نہیں سنی۔ ایک اور مقام پر جہاں اہل نظر موجود تھے صبح کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب نے کہا کہ موسیقی کے قاعدہ سے آپ کی قرأت میں بھیروں کی کیفیت تھی جو صبح کی ایک سہانی راگنی کا نام ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۵)

اس شعر کو لکھکر اس کے حاشیہ پر عرابی میں یہ عبارت تحریر فرمائی۔ خاتمۃ الجذبات ولتکن اخر الحالات" (یعنی سارے جذبات کا ختم کردینے والا یہ جذبہ ہونا چاہیئے اور سارے حالات کے بعد آخری حال یہ ہونا چاہیئے) فقط (از خاتمۃ السوانح)

Marfat.com

مولانا کی قرأت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی لیکن لہجہ میں قاریوں کی بناوٹ نہ تھی اور نہ تحسین آواز کے لئے بہ تکلف اتار چڑھاؤ ہوتا تھا۔ بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسب موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور تاثیر میں ڈوب کر نکلتی تھی، کہ "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد"۔

۱۔ تجوید و قرأت و متعلقات قرآنی

علوم القرآن میں سے یہ پہلا فن ہے، مولانا نے اس پر حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱۔ جمال القرآن:۔ یہ فن تجوید کا رسالہ ہے، جس میں قرآن مجید کو ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل ہیں، مخارج اور صفات حروف، اظہار و اخفاء، ابدال وادغام، تفخیم و ترقیق، وقف و وصل کے مسائل درج فرمائے ہیں۔

۲۔ تجوید القرآن:۔ اس مختصر منظوم رسالہ میں بچوں کی یادد کے لیے تجوید کے عام مسائل لکھے ہیں۔

۳۔ رفع الخلاف فی حکم الاوقاف:۔ اوقاف قرآنی کے بارے میں قاریوں میں جو اختلاف ہے۔ اس رسالہ میں اس کی توجیہ و تطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے۔

۴۔ وجوہ المثانی:۔ اس میں قرآن شریف کی مشہور قرأتوں کے اختلاف کو قرآن پاک کی سورتوں کی ترکیب سے سلیس عربی میں جمع فرمایا ہے۔ اور آخر میں تجوید و قرأت کے کچھ قواعد تحریر فرمائے ہیں۔

Marfat.com

۵۔ تنشیط الطبع فی اجراء السبع :۔ قرأت سبع اور اس فن کے رواۃ کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

۶۔ زیادات علی کتب الروایات :۔ اس میں قرأت کی غیر مشہور روایتوں کی سندیں ہیں یہ "وجوہ المثانی" کے آخر میں بطور ضمیمہ ہے۔

۷۔ ذنابات لمانی الروایات :۔ یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے۔

۸۔ یادگار حق القرآن :۔ اس میں قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے۔ یہ "تجوید القرآن" کا اختصار و ضمیمہ ہے۔

۹۔ متشابہات القرآن لتراویح رمضان :۔ قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح میں قرآن سنانے میں بعض مشہور مقامات پر جو متشابہات لگتے ہیں، ان سے بچنے کے لئے اس میں چند قواعد کلیہ یعنی گر و بعض آیات کے ضبط فرمائے گئے ہیں:۔

۱۰۔ آداب القرآن :۔ قرآن پاک کی تلاوت کے آداب اور تلاوت کرنے والوں کی کوتاہیوں کی اصلاح کے لیے ہدایات و تنبیہات ہیں۔

۲۔ ترجمہ و تفسیر قرآن

۱۔ ترجمہ :۔ قرآن پاک کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے تراجم خالی نہیں۔ قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے اس لئے

Marfat.com

عام اردو خوانوں کے فہم سے باہر ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں، یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے، اس ترجمہ میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجموں کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی نہ ہونے پائے۔ اسی لئے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں یہ مولانا کی عظیم الشان خدمت ہے۔

۲۔ تفسیر بیان القرآن ۔ یہ بارہ جلدوں میں قرآن پاک کی پوری تفسیر ہے، جس کو ڈھائی سال کی مدت میں مولانا نے تمام فرمایا ہے۔ اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں۔

سلیس و بامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ نیچے "ف" کے اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر، تفسیری روایات صحیحہ اور اقوال صلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے، فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے، شبہات اور شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے، صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کیے گئے ہیں، تمام کتب تفاسیر کو سامنے رکھکر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ ذیل میں اہل علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کیے گئے ہیں اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات وحقائق و معارف الگ لکھے گئے ہیں، ماخذوں میں غالباً سب سے زیادہ

Marfat.com

آلوسی بغدادی حنفی کی تفسیر "روح المعانی" پر اعتبار فرمایا گیا ہے۔ یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقۃً مفید ہے کہ تیرہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے" اس لئے تمام قدمار کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف و منتشر تحقیقات اس میں یکجا ملتی ہیں۔

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیر صرف عوام اردو خوانوں کے لئے علمار لکھتے ہیں۔ یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی علمار کو تھا، لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انور شاہ صاحبؒ نے اٹھا کر دیکھی تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی مگر یہ تو علمار کے دیکھنے کے قابل ہے۔ خود میرا (یعنی حضرت سید سلیمان ندوی مدظلہ کا) خیال یہ ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں راجح ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے، ساتھ ہی ربط آیات و سورہ کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے اور اس کا لحاظ اس تفسیر میں بھی کیا گیا ہے مگر چونکہ ربط آیات کے اصول سب کے سامنے یکساں نہیں اسلئے وجوہ ربط میں قیاس اور ذوق سے چارہ نہیں اس لئے ہر مستند ذوق والے کیلئے اسمیں اختلاف کی گنجائش ہے اسیطرح مفسرین کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح میں زمانہ کی خصوصیات اور ذوق و وجدان کا اختلاف بھی امر طبعی ہے اسلئے اگر کلام سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہو تو تنگی نہ کی جائے۔

۳۔ چونکہ مسلمانوں پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ ان کو گمراہیوں سے بچانے میں بجان و دل ساعی رہتے تھے۔ اردو میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے جو ترجمے شایع تھے۔ وہ بالکل کافی تھے۔ مگر نئے زمانہ میں پہلے سرسید

Marfat.com

نے بضمن تفسیر اور پھر شمس العلما، ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے اپنے ترجمے شائع کئے۔ تو انھوں نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی کہ اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھکر ترجمے کریں، اولین توجہ زبان کی طرف رکھیں اور اقوال سلف کی پروا نہ کریں اس طرز عمل نے علمار کو مضطرب کردیا اور اُن کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ مولانا نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت سے مجبور ہو کر کیا، مگر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور پڑھا۔ اور اس کے اغلاط پر نشان دیکے ایک رسالہ اس ترجمہ کی اصلاح پر لکھا جس کا نام "اصلاح ترجمہ دہلویہ" ہے۔

۴۔ مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرت کو حیرت میں ڈالدیا اور انھوں نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے پر اعتراضات شروع کئے اور پھر اپنا ترجمہ چھپوایا جس کی نسبت عام طور پر مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے، کیوں کہ مرزا صاحب خود عربی سے نابلد تھے، بہر حال مولانا نے اس ترجمے کے اغلاط کی اصلاح پر بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام "اصلاح ترجمہ حیرت" ہے۔

۵۔ بعض معاصر علما نے اردو میں قرآن شریف پر حواشی لکھے ہیں جن میں ربط آیات کا خاص طور سے اظہار کیا گیا ہے، اور آیات کو تاویل و اعتبار سیاسی مسائل پر منطبق کیا ہے، اور اس تاویل و اعتبار میں کہیں کہیں اعتدال سے قلم باہر نکل گیا ہے، مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر

Marfat.com

تنبیہات لکھیں جن کا نام "التقصیر فی التفسیر" ہے!

۶- لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدوں میں تفصیل البیان فی مقاصد القرآن "کے نام سے جمع کیا ہے۔ اس کے مؤلف کی درخواست پر اس میں جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے "الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان" کے نام سے ظاہر فرمائے۔

۷- مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیوں نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا، اور اکثر آیات کی تفسیر و تقریر کو ضبط تحریر میں کر لیا تھا، وہ ایک مجموعہ ہو گیا اور اس کا نام "تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات" رکھا مگر چھپا نہیں۔

۸- "رفع البناء فی نفع السماء": "اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً" کی تفسیر جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا کیا فائدے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک سوال کے جواب میں ہے

۹- "احسن الاثاث فی نظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلث": سورۂ بقرہ کی تین آیتوں پر نظر ثانی فرمائی ہے۔

۱۰- "اعمال قرآنی": قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگوں کے تجربہ میں آئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۱- "خواص فرقانی": اس کا موضوع بھی وہی ہے اس کا ایک اور حصہ ہے جس کا نام "آثار نبیانی" ہے، ان رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز غیر شرعی تعویذ گنڈوں اور عملیات سفلی سے بچا کر قرآنی آیات کے خواص کی

طرف ملتفت کرنا ہے اور اس قسم کے بعض خواص احادیث میں بھی مروی ہیں:

۳۔ علوم القرآن

علوم قرآن کے مختلف مباحث و مسائل تو مولانا کی ساری تصانیف و مواعظ، ملفوظات اور رسائل میں ملتے ہیں۔ اگر ان کو کوئی یکجا کر دے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے۔ مگر ان پر مستقل طور پر بھی بعض کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے اول "سبق الغایات" ہے۔

۱۔ "سبق الغایات فی نسق الآیات" یہ قرآن پاک کے آیات و سور کے ربط و نظم پر عربی میں پندرہ صفحوں کی کتاب ہے، جس کو ۱۳۱۶ھ میں ڈھائی مہینوں میں تصنیف فرمایا، اس میں مولانا نے سورۂ فاتحہ سے سورۂ الناس تک تمام سورتوں اور ان کی آیات کے ربط پر کلام فرمایا ہے، اور اس کا بڑا حصہ امام رازی کی "تفسیر کبیر" اور مفتی ابو السعود بغدادی المتوفی ۹۵۱ھ کی "ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا القرآن الکریم" سے ماخوذ و مستنبط ہے جس کی تصریح کتاب کے دیباچہ میں کر دی گئی ہے، ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافوں کو "قال المسکین" کہکر بیان فرمایا ہے۔ یہ حصہ بھی اچھا خاصہ ہے اور اخیر کی سورتوں میں زیادہ تر اضافات ہی ہیں جن میں مؤلف نے ان سورتوں کے موضوع اور عمود کی تعیین فرمائی ہے۔ چونکہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہیں اس لئے ان ذوقیات کی نسبت ہمیشہ رائیں مختلف

ہو سکتی ہیں، تاہم ان سے مولانا کے ذوق قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہو سکتا ہے تفسیر "البیان" میں بھی ربط و نظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے۔

ذوق ربط آیات مولانا کے ذوق ربط آیات و سور کا حال چونکہ عام طور سے لوگوں کو معلوم نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مواعظ میں سے دو قول نقل کر دیئے جائیں۔ جن سے ان کا ذوق اور ان کے بعض اصول ربط واضح ہو جائیں۔ سبیل النجاح ص۹ میں فرماتے ہیں[1]

جواب اس شبہ کا کہ مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع ہیں

کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان ارتباط کا لحاظ کیا ہی نہیں

"اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں باوجود طرز تصنیف اختیار نہ کرنے اور شفقت کا طرز اختیار کرنے کے پھر بھی ربط کا لحاظ کیا گیا ہے اس لئے مفسرین کے بیان کردہ روابط مخترع نہیں ہیں اور اس ربط کو ملحوظ فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ترتیب نزول آیات اور ہے اور ترتیب تلاوت مصحف اور ہے۔ یعنی قرآن کا نزول تو واقعات کے موافق ہوا کہ ایک واقعہ پیش آیا۔ اور اس کے متعلق ایک آیت نازل ہو گئی۔ پھر دوسرا واقعہ

---

[1] منقول از اشرف الجواب بشفاء المرتاب حصہ سویم ص۲۹۶ و ص۲۹۷

پیش آیا تو دوسری آیت نازل ہو گئی وعلیٰ ہذا تو ترتیب نزول تو حسب واقعات ہے۔ اگر تلاوت میں بھی یہی ترتیب رہتی تو واقعی ربط کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ترتیب تلاوت خود جناب باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے بدل دی۔ یعنی حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آیت کسی واقعہ کے متعلق نازل ہوتی۔ تو جبرئیل علیہ السلام بحکم خداوندی حضورؐ سے یہ کہتے کہ آیت کو مثلاً سورۂ بقر کی فلاں آیت کے بعد رکھا جاوے اور اس کو فلاں آیت کے بعد اور اس کو فلاں سورۃ کے ساتھ علیٰ ہذا تو مصحف میں ترتیب آیات ترتیب نزول پر نہیں بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے دونوں میں کوئی مستقل ربط اور مناسبت اور تعلق ضرور ہے کیونکہ اگر اب بھی دونوں میں کوئی ربط نہ ہوا تو ترتیب نزول کا بدلنا مفید نہ ہوگا۔" (سبیل النجاح ص۹)

پھر اسی کتاب کے ص۶ میں ارشاد ہے [1]۔

۸۷ - قرآنِ کریم بے ترتیب اور غیر مربوط کلام نہیں ہے

قرآن میں ہر پہلو کی ایسی رعایت ہے کہ کسی کلام میں ویسی رعایت نہیں ہے، قرآن میں صرف ضابطہ کو پورا نہیں کیا گیا۔ اس مضمون کو آپ سہولت سے یوں

---

[1] منقول از اشرف الجواب دشفاء العتاب حصہ سویم ص ۲۹۳، ص ۲۹۶

سمجھیں گے کہ حکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو بعض ضابطہ کے پابند ہیں ضابطہ کی رو سے جو کام اُن پر واجب ہے وہ کر دیا۔ اور قانون کے موافق رعایا پر احکام لازم کر دیے ان کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ دشوار احکام کو قانون سے خارج کریں یا اُن کے سہل و یا آسان کرنے کی تدبیر بتائیں۔ دوسرے وہ حکام ہیں جن کو رعایا سے محبت ہوتی ہے اور مخلوق کو راحت پہنچانا چاہتے ہیں اور حتی الامکان قانون میں کوئی دشوار حکم داخل نہیں کرتے اور اگر کسی مصلحت سے کوئی دشوار حکم رکھتے بھی ہیں تو رعایا کو اس کے سہل کرنے کی تدبیر بھی بتلاتے ہیں اور اس تجویز میں ان پر تعب ضرور ہوتا ہے مگر یہ شفقت پر مبنی ہے اتنی رعایتیں وہی حاکم کر سکتا ہے جس کو رعایا پر شفقت ہو اسی طرح ایک اور مثال سمجھیے کہ نصیحت کرنے والا ایک تو استاد ہوتا ہے اور ایک باپ ہوتا ہے۔ باپ کی نصیحت میں عام لوگوں کی نصیحت سے فرق ہوتا ہے۔ اُستاد تو ضابطہ پُری کرتا ہے باپ ضابطہ پُری نہیں کر سکتا وہ نصیحت کرتے ہوئے اس کا خیال رکھتا ہے کہ بیٹے کو ایسے عنوان اور ایسے طرز سے نصیحت کروں جو اس کے دل میں گھر کرے۔ کیونکہ وہ دل سے یہ چاہتا ہے کہ اُس کے بیٹے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور اگر وہ کوئی مشکل کام بھی بتلاتا ہے تو اس طریقہ کو وہ اختیار کرتا ہے جس سے بیٹے کو عمل آسان ہو جائے اور ان سب رعایتوں کا منشأ وہی شفقت ہے۔ شفقت ہی کے ساتھ تمام پہلوؤں کی رعایت کی جا سکتی ہے اور اسی لئے باپ کا کلام نصیحت کے وقت بے ربط اور بے ترتیب بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھاتے ہوئے نصیحت کرے کہ بُری

صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے اور اس مضمون پر وہ مفصل گفتگو کر رہا ہو اسی درمیان میں اس نے دیکھا کہ بیٹے نے ایک بڑا سا لقمہ کھانے کو لیا ہے تو وہ فوراً پہلی نصیحت کو قطع کر کے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے۔ اس کے بعد پھر پہلی بات پر گفتگو شروع کر دے گا اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو وہ کہے گا کہ یہ کیا بے ترتیب کلام ہے بری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر مگر جو شخص کبھی کسی کا باپ بنا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بے ترتیب کلام مرتب و مرتبط کلام سے افضل ہے۔ شفقت کا مقتضا یہی ہے کہ ایک بات کرتے ہوئے اگر دوسری بات کی ضرورت ہو تو ربط کا لحاظ نہ کرے دوسری بات کو بیچ میں رکھکر پھر پہلی بات کو پورا کرے۔ یہی راز ہے اس کا کہ خدائے تعالیٰ کا کلام ظاہر میں بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے اس ظاہری بے ربطی کا منشا شفقت ہی ہے کہ حق تعالیٰ مصنفین کی طرح گفتگو نہیں کرتے کہ ایک مضمون پر کلام شروع ہو تو دوسرے باب کا کوئی مضمون اس میں نہ آسکے۔ بلکہ وہ ایک نئے مضمون کو بیان فرماتے ہوئے اگر کسی دوسرے امر پر تنبیہہ کی ضرورت دیکھتے ہیں تو شفقت کی وجہ سے درمیان میں فوراً اس پر بھی تنبیہہ فرما دیتے ہیں۔ اس کے بعد پھر پہلا مضمون شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ایک آیت مجھے یاد آئی جس پر لوگوں نے غیر مرتبط ہونے کا اعتراض کیا ہے سورۂ قیامت میں حق تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے کہ انسان اس وقت بڑا پریشان ہوگا اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈیگا اپنے اعمال پر اسے اطلاع ہوگی اس روز اس کو سب اگلے پچھلے کئے ہوئے کام جتلا دیئے جائیں گے

Marfat.com

پھر فرماتے ہیں۔ بل الانسان علیٰ نفسہٖ بصیرۃٌ ولو القی معاذیرہٗ ط یعنی انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا بلکہ اس دن انسان اپنے نفس کے (احوال و اعمال سے) خوب واقف ہے کیونکہ اس وقت حقایق کا انکشاف ضروری ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ (باقتضائے طبیعت) کتنے ہی بہانے بنائے جیسے کفار کہیں گے واللہ ہم تو مشرک نہ تھے۔ مگر دل میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں غرض انسان اس روز اپنے سب احوال کو خوب جانتا ہوگا۔ اس لئے یہ جتلانا محض قطع جواب اور اتمام حجت اور دھمکی کے لئے ہوگا نہ کہ یاددہانی کے لئے یہاں تک تو قیامت ہی کے متعلق مضمون ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ لاتحرک بہٖ لسانک لتعجل بہٖ اِنّ علینا جمعہٗ وقرانہٗ فاذا قرانہٗ فاتبع قرانہٗ ثم ان علینا بیانہٗ

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہوتے ہوئے اس کے یاد کرنے کے خیال سے زبان نہ ہلایا کیجئے ہمارے ذمہ ہے آپ کے دل میں قرآن کا جما دینا اور زبان سے پڑھوا دینا۔ تو جب ہم قرآن نازل کریں اس وقت فرشتہ کی قرأت کا اتباع کیجئے پھر یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ قرآن کا مطلب بھی بیان کر دینگے۔ اس کے بعد پھر قیامت کا مضمون ہے۔ کلّا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاٰخرۃ کہ تم لوگ دنیا کے طالب ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو پھر فرماتے ہیں۔ وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ ط بعض کے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے الخ تو لاتحرک بہٖ لسانک سے اوپر

بھی قیامت کا ذکر ہے اور بعد کو اس کا ذکر ہے اور درمیان میں یہ مضمون ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے جلدی یاد کرنے کے لیئے زبان کو حرکت نہ دیا کیجیے لوگ اس مقام کے ربط میں تھک گئے ہیں اور بہت سی توجیہات بیان کی ہیں مگر سب میں تکلف ہے اور کسی نے خوب کہا ہے -

" کلامے کہ محتاج یعنی باشد لا یعنی است "

تو جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے جو حق تعالیٰ کو حضور کے ساتھ ہے اس کو آفتاب کی طرح نظر آتا ہے کہ اس کلام کا درمیان میں کیا موقع ہے صاحبو اس کا وہی موقع ہے جیسے وہ باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا - کہ بُری صحبت میں نہیں بیٹھا کیجئے اور اس کے مفاسد بیان کر رہا تھا کہ درمیان میں بیٹے کو بڑا سا لقمہ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کیا حرکت ہے لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے تو ظاہر میں لقمہ کا ذکر ترتیب کلام سے بالکل بے ربط ہے - لیکن جو باپ ہوا ہوگا وہ جانے گا کہ نصیحت کرتے کرتے درمیان میں لقمہ کا ذکر اس لیئے کیا گیا کہ لڑکے نے بڑا لقمہ لیا تھا - باپ نے فرط شفقت سے درمیان کلام میں اس پر بھی تنبیہ کر دی - اس طرح یہاں بھی حق تعالیٰ قیامت کا ذکر فرما رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ کہیں یہ آیتیں ذہن سے نہ نکل جائیں - جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے تو درمیان میں خدا تعالیٰ نے فرط شفقت سے اس کا بھی ذکر فرما دیا کہ آپ یاد کرنے کی فکر نہ کریں یہ کام ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے - آپ بے فکر ہو کر سنتے رہا کریں قرآن آپ کے دل میں خود بخود محفوظ ہو جاوے گا - تو اس

Marfat.com

مضمون کو درمیان میں ذکر فرمانے کی وجہ فرط شفقت ہے۔ اور اس کا مقتضار یہ تھا کہ اگر یہاں بالکل بھی بے ربط نہ ہوتا تو یہ بے ربطی ہزار ربط سے افضل تھی مگر پھر بھی باوجود اس کے یہاں ایک مستقل ربط بھی ہے اور یہ خدا کے کلام کا اعجاز ہے کہ جہاں ربط کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی کلام میں ربط موجود ہے (سبیل النجاح ص۹۵)

۲۔ "اشرف البیان لما فی علوم الحدیث والقرآن" مولانا کے چند مواعظ سے اُن کے ایک معتقد و خادم نے ان اقتباسات کو یکجا کر دیا ہے جن میں آیات قرآنی اور احادیث کے متعلق لطیف نکات و تحقیقات ہیں افسوس ہے کہ اس کام کو اگر زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کیا جاتا تو کئی حصے اس کے مرتب ہو سکتے تھے۔

۳۔ "دلائل القرآن علی مسائل النعمان" مولانا کو حضرت امام اعظمؒ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا، وہ ظاہر ہے۔ ان کا مدت سے خیال تھا کہ "احکام القرآن" ابوبکر جصاص رازی، اور "تفسیرات احمدیہ" ملا جیون کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے اُن آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کر دیں جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پا سکا، آخر میں یہ خدمت اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں، چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہو گئے۔ ابھی حال میں جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے تو خانقاہ امدادیہ میں جا کر

خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آتے جاتے بیان فرماتے اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آکر قلمبند فرما لیتے یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا اور کام ناتمام رہ گیا۔ امید ہے کہ مفتی صاحب اس کام کو جاری رکھیں گے۔ اور انشاء اللہ اتمام کو پہونچائیں گے۔

مولانا عبد الباری صاحب ندوی کی روایت میں نے سنی ہے جن کو خود بھی ماشاء اللہ قرآن پاک کے فہم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے اور فقیہانہ دقت نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا لیکن اب تک اس پر اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا۔ اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے کہ مولانا سے سنکر اپنے مستقر پہونچکر اس کو بعینہ اسی طرح قلمبند کرتے تھے جس طرح مولانا نے تقریر فرمائی تھی۔

۴۔ تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات "تفسیر مفیاد ی میں حروف مقطعات کا جو مجمل و مغلق بیان ہے، اس رسالہ میں بزبان عربی اس کو آسان کرکے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے حروف مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے۔

۵ و ۶ = مولانا کے دو رسالے علم القرآن سے متعلق اور ہیں اور ان دونوں کا تعلق سلوک سے ہے ایک کا نام "مسائل السلوک من کلام

الملوث" اور دوسرے کا نام "تائید الحقیقہ بالآیات العتیقہ" ہے ان دونوں رسالوں کا موضوع قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر سے ہے جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مؤلف کی تالیف ہے جس کا قلمی رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۷ھ میں "بھاولپور میں ملا تھا" اس پر مزید اضافہ کر کے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے۔

۴۔ علوم الحدیث

حضرت حکیم الامتؒ کو علوم حدیث میں جو مہارت حاصل تھی اس کی شہادت ان کے مواعظ و رسائل و تالیفات کے ہزاروں صفحات دے رہے ہیں جن میں بے شمار احادیث کے حوالے، اشارے اور تلمیحات، ان کے مشکلات کی شرح ان کے دقیق مطالب کے حل اور ان کے نکات و لطائف کا بیان ہے۔ خصوصیت کے ساتھ شیخ کے مواعظ میں جو زبانی تقریریں ہیں، مجمل حدیثوں کے حوالے اور اکثر احادیث کے بعینہ الفاظ مع انکی تخریجات اور کتابوں کے حوالوں کے اس کثرت سے ان میں ہیں کہ ان کو دیکھ کر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ الحدیث ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد ان کی ان تصانیف کو لیجیے جو گو فقہ و فتویٰ اور احکام و مسائل یا اصلاح رسوم اور سلوک میں ہیں۔ لیکن ان کی بنیاد احادیث پر ہے، ان میں احادیث کے حوالے، دلائل کی مضبوطی اور صحت بیان کی تائید و شہادت کے لئے آئے ہیں، جو مؤلف کے علم و معرفت پر دلیل قاطع ہیں۔

Marfat.com

حضرت حکیم الامت کو فن سلوک کی جو توفیق عنایت ہوئی تھی، اس کا ایک مبارک اثر یہ ہے کہ حضرت نے احادیث کی کتابوں سے ان تمام حدیثوں کو یکجا فرمایا، جن میں اس فن شریف کے مسائل متفرق تھے، اگرچہ بعض حضرات محدثین نے اپنی کتابوں میں بعض ابواب زہد و رقاق کا تذکرہ کیا ہے، تاہم ان کی حیثیت فن کی نہیں۔ قدماء میں سے صرف ایک بزرگ امام عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ کا نام ہم کو معلوم ہے، جنہوں نے کتاب "الزہد والرقاق" کے نام سے مستقل تصنیف فرمائی ہے، مگر یہ ہیچمدان اس کی زیارت سے محروم رہا ہے، اس لیئے اس کی نسبت کچھ عرض نہیں کر سکتا، مگر قیاس ہے کہ وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب کی طرح زہد و رقاق اور مذمت دنیا کے مضامین کی احادیث پر مبنی ہوگی۔

اہل سلوک نے جن روایات احادیث سے کام لیا ہے وہ عموماً ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں، اسی لئے علماء نے سلوک کو اس فن میں کمزور سمجھا گیا ہے اور اسی بنا پر اہل حدیث و روایت نے یہ پر خود غلط خیال قائم کر لیا ہے کہ فن سلوک اور اس کے مسائل احادیث نبوی سے ثابت نہیں اور صدیوں سے ان کا یہ اعتراض قائم تھا، گو بعض محدثین نے ادھر توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں کچھ کام انجام دیا مثلاً امام ابن ابی جمرہ اندلسی المتوفی ۶۹۹ھ نے صحیح بخاری کی شرح "بہجۃ النفوس" کے نام سے لکھی، جس کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس میں اس کا التزام کیا ہے کہ احادیث کی شرح میں سلوک کے مسائل و نکات کی طرف بھی اشارے کرتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت حکیم الامتؒ نے اس کام کو مستقل طور سے انجام دیا اور "حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ" کے نام سے دو کتابیں تالیف فرمائیں۔

حقیقۃ الطریقہ | ۱۳۲۷ھ میں تالیف پائی ہے اور یہ درحقیقت حضرت کی کتاب "التکشف بمہمات التصوف" کا آخری جزو ہے اور رسالہ بھی مستقل تصنیف بھی ہے، اس میں تین سو تیس (۳۳۰) احادیث سے جو عموماً صحاح میں مذکور ہیں، سلوک و تصوف کے مسائل کو مستنبط کیا گیا ہے اور ان کو اخلاق، احوال، اشغال، تعلیمات، علامات، فضائل، عادات، رسوم، مسائل، اقوال، توجیہات، اصلاح، اور متفرقات کے دس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ اہل علم کے مطالعہ کی خاص چیز ہے۔

التشرف | یہ کتاب چار حصوں میں ہے، ان میں اُن احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیہ کے کلام میں آتی ہیں۔ اور یہ دکھایا ہے کہ اصول و فن حدیث کی رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے۔ اور حدیث کی کس کتاب میں ہے اور جو روایات ان میں در اصل حدیث نہ تھیں بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے، اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہیں تو ان احادیث و آیات اور اُن سے ان اقوال کی صحت کے طریق و استنباط پر گفتگو فرمائی ہے۔

حصہ اوّل تشرف میں امام غزالی کی احیاء العلوم کی احادیث

کی تخریج ہے، اس حصہ کا ماخذ زیادہ تر امام غزالی کی تخریج احیاء العلوم ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابیں ہیں جن کا ماخذ ہر روایت کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ یہ حصہ ۱۳۴۱ھ میں لکھا گیا ہے۔

حصہ دوم میں دفتر اول مثنوی مولانا روم اور اس کی شرح کلید مثنوی میں آئی ہوئی احادیث و روایات کی تخریج کی گئی ہے، اسناد احادیث کی تحقیقات زیادہ تر امام سخاوی کی المقاصد الحسنۃ سے التقاط کی گئی ہے یہ حصہ ۱۳۴۹ھ میں زیر قلم آیا۔

حصہ سوم و چہارم، ان دونوں حصوں میں حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے جو احادیث کی ساری کتابوں کا بہ ترتیب حروف تہجی مجموعہ ہے۔ ان احادیث کو یکجا کیا گیا ہے جن سے مسائل سلوک مستنبط ہیں اور ان کو بہ ترتیب حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی تحقیقات خاصہ کا جا بجا اضافہ اور احادیث کے مطالب کی تشریح و تطبیق اور بعض مشکلات کا حل کیا گیا ہے، حصہ سوم **حرف** "الف" کی روایتوں پر مشتمل ہے اور ۱۳۵۱ھ میں ترتیب پایا ہے، اور حصہ چہارم میں بقیہ حروف کی روایتیں ہیں اور وہ محرم ۱۳۵۱ھ میں تکمیل کو پہونچا ہے۔

جامع الآثار | حضرات اہل حدیث کے اس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضرات حنفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید میں احادیث بہت کم ہیں اور چونکہ کتب احادیث زیادہ تر محدثین

Marfat.com

اور حضرات شوافع کی تالیف ہیں، اس لئے ان میں حنفیہ کی مؤید حدیثیں یکجا نہیں ہیں۔ گو امام محمدؒ کو موطا اور آثار اور قاضی ابو یوسف کی کتاب "الآثار" اور مسند ابی حنیفہ مرتبہ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہے، مگر کتب صحاح و مسانید و مصنفات سے جو رائج اور محدثین میں مقبول ہیں چن کر ان احادیث و روایات کو یکجا نہیں کیا گیا تھا جن سے مسائل حنفیہ کی تائید ہوتی تھی۔

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی مگر اس زمانہ میں اہل حدیث کے ظہور و شیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ چونکہ اس تحریک کا آغاز پورب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا۔ اس لئے اس ضرورت کا احساس بھی پہلے یہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن علی ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی نے "آثار السنن" کے نام سے کتب حدیث سے انتقاط کر کے اس قسم کی حدیثوں کو شایع کیا، اس کے دو ہی حصے شایع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۳۲۱ھ میں شایع ہوا، علمائے احناف نے اس کتاب کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ یہاں تک کہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے جو اس زمانہ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس تھے۔ اس کی مدح میں عربی قصیدے لکھے افسوس ہے کہ مولانا نیموی کی وفات سے ان کا یہ کام ناتمام رہا۔

احیاء السنن :۔ حضرت حکیم الامتؒ نے بھی اس ضرورت کو

Marfat.com

محسوس فرمایا اور احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر رکھی ہے - لیکن افسوس اس کا مسودہ ضائع ہوا -

جامع الآثار :- کچھ دنوں بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثوں کا مجموعہ جامع الآثار کے نام سے مرتب فرمایا - لیکن یہ سلسلہ "ابواب الصلوٰۃ" سے آگے نہیں بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہوگیا وہ چھپ کر شائع ہوگیا -

تابع الآثار :- یہ بھی اسی موضوع پر ہے، اور اس کو جامع الآثار کا ضمیمہ بنایا گیا ہے -

"احیاء السنن" کا احیاء

۱۳۳۱ھ میں یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے کہ حضرت والا خود اس کام کو تنہا انجام نہیں دے سکتے - اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستند علماء کو رکھ کر کام لیا جائے - چنانچہ مولانا محمد احسن صاحب سنبھلی کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا، انھوں نے کام شروع کیا، جو کام وہ کرتے جاتے مولانا کی نگاہ سے گذارتے جاتے تھے - اس طور سے کتاب الحج تک کام ہوا - اور اس کا نام دوبارہ "احیاء السنن" رکھا گیا - تاکہ مرحوم "احیاء السنن" کی یادگار رہو، اس کے دو حصے شائع ہوئے تھے کہ بعض اسباب سے اس کتاب کے بعض مضامین سے مولانا کی تشفی نہیں ہوئی اور اس پر استدراک لکھوانے کا خیال ہوا - اور آئندہ کام کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی

Marfat.com

کا انتخاب ہوا۔

الاستدراک الحسن مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر ہدایت اس کام کو بڑی دیدہ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا سب سے پہلے احیاء السنن کے شایع شدہ حصہ پر دوبارہ نظر کر کے اس کو "الاستدراک الحسن" کے نام سے شایع کیا گیا۔

اعلاء السنن اس کے بعد احیاء السنن کے نام کو بدل کر "اعلاء السنن" کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا اور اس وقت تک اس کی بارہ [۱۲] جلدیں شایع ہو چکی ہیں، جن میں مذہب حنفی کی موید حدیثوں کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا اور محدثین اور اہل فن کی تحقیقات، اون کے شروح و حواشی میں یکجا کئے گئے ہیں، اُمید ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب ابھی اس سلسلہ کو جاری رکھکر بانی اوّل کے حق میں صدقۂ جاریہ کا باعث بنیں گے۔

الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں اس درجہ تکلف و تصنع اور مضامین کے ابتذال سے کام لیا گیا ہے کہ یہ بازاری خطبے زبان اور طرز ادا اور مضامین و مطالب کے لحاظ سے عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے اسلوب سے ہٹکر بلغاء اور خطباء کے اظہار قابلیت کا دنگل بن کر رہ گئے ہیں، حکیم الامت رح کی اصلاحی نظر

Marfat.com

سے محراب ومنبر کا یہ گوشہ بھی مخفی نہیں رہا۔ چنانچہ "الخطب الماثورۃ من الآثار المشہورۃ" کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات کو احادیث صحیحہ سے انتخاب فرما کر ایک جگہ جمع کر دیا۔ تاکہ خطبائے مساجد ان مسنون خطبوں کو پڑھ کر ان تکلفات باردہ کے گناہوں سے محفوظ رہیں۔

خطبات الاحکام | جمعہ اور عیدین کے پچاس خطبوں کا یہ مجموعہ تالیف فرمایا۔ جس میں احادیث وآثار وآیات سے ترغیب وترہیب کے مضامین کے علاوہ عقائد واعمال واخلاق کے مضامین درج فرمائے۔

مناجات مقبول | احادیث میں وارد، اوراد واذکار مسنونہ کے لئے حصن حصین وحزب اعظم ملا علی قاری وغیرہ کتابیں رواج پذیر ہیں۔ مگر وہ طویل ہونے کی وجہ سے سب کے کام کی نہیں، حضرت حکیم الامت نے عام مسلمانوں کے فائدے کیلئے ان سب سے تلخیص کر کے "مناجات مقبول قربات عند اللہ و صلوات الرسول" کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تالیف فرمایا ہے، جو اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بے حد مقبول ہے۔

۵۔ علوم الفقہ

حضرت حکیم الامت رحمہ کو مسائل فقہیہ کی تلاش وتحقیق کا خاص ذوق تھا

تھا، اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ و اساتذہ کرام سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ ابھی تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح نے اُن سے فتویٰ نویسی کی خدمت لینی شروع کر دی تھی اگر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۱ھ سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ پورے ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت میں بسر کئے اس طویل عرصہ میں ہزاروں مسئلوں کے جواب دیئے۔ ہزاروں فتوے اور سیکڑوں چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے۔ متعدد ضخیم جلدوں میں امداد الفتویٰ اور تتمہ امداد الفتویٰ کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کی فتاوے کے مجموعے جمع کیئے گئے ہیں جس کی نظیر ہندوستان میں کم از کم نہیں ملتی۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

"حوادث الفتاویٰ" کے نام سے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو اُس زمانے کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہیں، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتویٰ سے بہ آسانی حاصل نہیں کئے جا سکتے۔

"بہشتی زیور" کی دس جلدیں جو گو عورتوں کی ضروریات کے لیئے ہیں لیکن ان میں تمام ابواب فقیہہ کے مسائل مندرج ہیں جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصطلاحات کے مطابق صرف انہی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

"ترجیح الراجح" یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین

Marfat.com

ہیں تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہاں یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے۔ اس مجموعہ میں حضرت حکیم الامت نے ان مسائل کو جمع فرما دیا ہے جن میں از خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کر دی۔ یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات تابعین و تبع تابعین اور مجتہدین عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت نے زندہ کیا اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچایا۔

"فتاویٰ اشرفیہ" کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہیں۔

"بہشتی گوہر" بہشتی زیور کے سلسلہ کا مردانہ حصہ ہے جس میں خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردوں سے خاص ہیں، جیسے جمعہ، جماعت، عیدین وغیرہ۔

ان کے علاوہ مسئلہ حجاب، مسئلہ ربا، مسئلہ رشوت، مسئلہ بنک، سنیما اور فلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فقہی تحقیقات ہیں اور بعض موضوعوں پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے۔

۴۔ علم کلام

علم کلام وعقائد و توحید پر متعدد رسالے قلم بند فرمائے جو شائع

Marfat.com

وذرائع ہیں، خاص نئے زمانہ کے حالات کا خیال کرکے خود چند کتابیں تالیف فرمائیں اور دوسروں سے ترجمہ کرائیں۔ مثلاً

"اسلام اور سائنس" کے نام سے "الحصون الحمیدیہ" کا مولانا اسحٰق صاحب سے ترجمہ کرایا، یہ عربی کی ایک جدید کلامی تصنیف ہے۔ اس کے مصنف علامہ جسری ہیں جنہوں نے سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں اس کو ملک شام میں تصنیف فرمایا تھا، اور جو نئے حلقوں میں بہت پسند کیا گیا تھا، اس کی خاص صفت یہ ہے کہ اس میں تاویل فاسد کا دروازہ نہیں کھولا گیا ہے۔

"المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ" تین حصوں میں ترتیب پایا ہے جس میں اسلامی احکام ومسائل کے مصالح وحکم بیان کیے گئے ہیں پہلے حصہ میں نماز وزکوٰۃ۔ دوسرے میں روزہ۔ عیدین۔ صدقۂ فطر۔ قربانی۔ حج۔ نکاح وطلاق وغلامی وغیرہ کے مسائل کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ تیسرے حصہ میں خرید وفروخت ومعاملات۔ حدود وقصاص فرائض۔ عذاب قبر اور معاد کے متعلق اسلامی تعلیمات کے مصالح ہیں

"الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ" یہ بھی علم کلام ہی کا باب ہے۔ اس میں جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مذہبی خدشوں اور وسوسوں کے تشفی بخش جوابات درج ہیں۔

"اشرف الجواب" یہ بھی اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے، جو مواعظ و ملفوظات سے جمع کیا گیا ہے جس میں بہت سے نئے اور پرانے شبہات

وخطرات کے جوابات فراہم کیے گئے ہیں۔

۷۔ علم سلوک و تصوف

علم سلوک و تصوف روح شریعت کا نام ہے جس میں اخلاص دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقایق سے بحث کی جاتی ہے۔ قدماء صوفیا نے اس پر جو کتابیں لکھی ہیں مثلاً رسالہ قشیریہ۔ امام قشیری "قوت القلوب" ابوطالب مکی۔ کتاب اللمع، ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج الطوسی، کتاب الصدق ابو سعید خزار، فتوح الغیب۔ شیخ سہروردی۔ اور غنیۃ الطالبین شیخ عبد القادر جیلانی اور متاخرین میں تصانیف امام شعرانی، ان کو پڑھنے سے اس فن کی جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے، افسوس ہے کہ مصنوعی اور دوکاندار صوفیہ اور مبتدعہ کی تلبیس نے اس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ کبھی تو بدعات کا مجموعہ بلکہ بطلان و ضلالت کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے پھر ہندوستان میں ہندوؤں کے جوگ اور ویدانت کے اثر سے اس میں بہت سے ایسے مسائل شامل ہو گئے جو اسلام کی روح کے تمام تر منافی ہیں۔ حتیٰ کہ وحدت الوجود۔ وحدت شہود و لطائف و دوائر کے مباحث و اعمال بھی اصل فن سے قطعاً الگ ہیں، جو یا تو علم کلام و فلسفہ یا اوہام و خیالات و احوال سے وابستہ ہیں جن کا تعلق نفسیات سے ہے۔

اصل شئے جو اخلاص فی الدین۔ طلب رضا۔ حصول قرب اور اعمال و اخلاق قلب و مقامات ہیں اور جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی اور

Marfat.com

نفضائل سے آراستگی ہے، تمامتر متروک ہو گیا تھا، صدیوں کے بعد حضرت حکیم الامت رح کے تجدیدی کمساعی نے اس فن کو پھر سلف صالحین کے رنگ میں پیش کیا اور ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک کر کے کتاب وسنت کے نور میں اس تاریک زمانہ کے اندر پھر ظاہر کیا، اور زبان وقلم سے ان مسائل پر اتنا کچھ لکھا اور بیان فرمایا کہ اب طالب پر اصل طریق کا کوئی گوشہ اندھیرے میں نہیں رہا - وللہ الحمد!

اس سلسلہ میں پہلی چیز قصد السبیل ہے جو پچاس ساٹھ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے، لیکن اس کوزہ میں دریا بند ہے - فن سلوک کے وہ تمام حقایق وتعلیمات جو سالہا سال میں معلوم ہو سکے اور جن کے نہ جاننے سے سالکین وطالبین غلط راستوں پر پڑ کر منزل مقصود کو گم کر دیتے ہیں - اس میں لکھ دیئے گئے ہیں - اگر کوئی طالب صادق صرف اِسی ایک رسالہ کی تعمیل وتکمیل میں عمر صرف کر دے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی ووافی ہے -

جاہل پیروں اور دوکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں اور اس زور شور سے اس کو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے، حالانکہ یہ تمامتر لغو اور بے معنی ہے - حضرت حکیم الامت رح نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے، احکام الہٰی کی باخلاص تمام تعمیل وتکمیل ہی کا نام طریقت ہے - دگر ہیچ - اور یہی خواص امت

Marfat.com

کا مذہب ہے۔ اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فنِ سلوک سے ناآشنا ہے، اس بارگاہ کے ایک حلقہ بگوش کا شعر ہے ؎

اب تو مے نوشی ہے بینِ شرع بر فتوائے شیخ!

اب وہی ہوگا فقیہ شہر جو مے نوش ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلامِ پاک سے مستنبط فرمایا اور اس کے متعلق "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" اور "تمامیۃ الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ" نام دو رسالے تالیف فرمائے ہیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان مسائل سلوک کی تشریح فرمائی جن کا ماخذ احادیث نبوی اور سنت صحیحہ ہے اور یہ "التشرف" اور "حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ" میں مدون ہیں۔

اہلِ تحقیق کے لیے اس فن شریف پر ایک جامع کتاب "التکشف بمہمات التصوف" تالیف فرمائی جو پانچ حصوں میں منقسم ہے، یہ حقیقت طریقت، حقوق طریقین، تحقیق کرامت اور دیگر مضامین تصوف پر مشتمل ہے۔

طریق اور سلوک کے اسرار اور رموز اس قدر دقیق اور نازک ہیں کہ ذرا ان کے سمجھنے میں بے احتیاطی کی جائے تو ہدایت کے بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا رومیؒ کی سے کی جو مثنوی معنوی کے نام سے سرفراز حقیقت ہے، اور اسی لیے وہ اس سلسلہ کے اکابر کے خانقاہی درس میں رہی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے خاص ذوق تھا، اور وہ یہی خاص خاص لوگوں کو اس کا درس دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت

حاجی صاحب کے ایما سے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری نے بڑے اہتمام سے اس کا حاشیہ لکھا اور منشی رحمت اللہ رعد مرحوم کے مطبع نے اس کو چھاپا، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا بحر العلوم کے بعد مثنوی کی حکیمانہ شرح اس سے بہتر نہیں لکھی گئی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں حضرت حکیم الامت رح نے اس مثنوی کی خدمت محض فن کی حیثیت سے فرمائی، سلوک کے مسائل، طریقت کی تعلیمات اور مثنوی کے بیانات کی قرآن وحدیث سے اس خوبی کے ساتھ کلید مثنوی میں تطبیق فرمائی کہ اب فن کا مبتدی ہی چاہے تو اس کلید کے ذریعے مثنوی کے خزانہ کو کھول سکتا ہے۔

دیوان حافظ کی پرجوش و مردافگن شراب نے بھی بہت سے بے احتیاط مے نوشوں کو راہ سے بے راہ کردیا تھا، بدگمانوں کو تو اس شراب معرفت پر شیراز کے بادۂ انگور کا شبہ ہوا، اور بے احتیاط خوش گمانوں نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

حضرت حکیم الامت رح کی معرفت اس تیز و تند شراب کے "منافع و اثم" سے پوری طرح باخبر تھی، حضرت نے "عرفانِ حافظ" کے نام سے اس کی ایسی شرح لکھی کہ اس پھول سے ہر کانٹا الگ ہوگیا۔ ع

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

Marfat.com

طالبین و سالکین کی تعلیم و تربیت کے لیے "تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک" کا سلسلہ الگ مرتب فرمایا جس میں سالکین کے مشکلات راہ - ذاکرین و شاکرین و شاغلین کے شبہات و خطرات راہ کے لیے ہدایات مندرج ہیں، یہ کہنا بیجا نہیں کہ علوم مکاشفہ و معاملہ کے متعلق کلیات و جزئیات اور احوال شخصی پر ایسی حاوی کتاب کی نظیر تصوف کے سارے دفتر میں موجود نہیں، بارہ سو بہتر (۱۲۷۲) صفحوں میں یہ کتاب تمام ہوئی ہے۔

ایک دوسرا اہم سلسلہ "ملفوظات" کا ہے، بزرگوں کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانے سے قائم ہے، یہاں تک کہ چشتیہ حضرات میں حضرت سلطان خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی کے ملفوظات بھی موجود ہیں - لیکن افسوس ہے کہ اہل شوق اس کام کو پورے استیعاب سے نہ کر سکے، کیونکہ ان اکابر کے جو ملفوظات قلمبند ہو سکے وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہیں ہیں - اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ لکھنے والوں نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کیمیا اثر سے گزرانا بھی تھا، تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہل کمال و اہل احتیاط تھے، اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا - اور وہ اس اختصار پر بھی ہمارے لیے بڑی خیر و برکت کی چیزیں ہیں۔

حضرت حکیم الامت کے ملفوظات کا سلسلہ تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدون ہوا ہے اور ان میں سے ہر ایک ان کی نظر سے گذر ان کر

Marfat.com

چھپایا گیا ہے۔ اور جن میں سے اکثر "حسن العزیز" وغیرہ ناموں سے چھپکر شائع ہو چکے ہیں۔ ان ملفوظات میں بزرگوں کے قصے، سنجیدہ لطیفے، قرآن و حدیث کی تشریحات، مسائل فقہیہ کے بیانات، سلوک کے نکتے۔ اکابر کے حالات طالبوں کی ہدایات و تنبیہات۔ ادب و اخلاق کے نکات۔ اصلاحِ نفس و تزکیہ کے تجربات وغیرہ اس خوبی و دلچسپی سے درج ہیں کہ اہل شوق کے دل اور دماغ دونوں اس آب زلال سے سیراب ہوتے ہیں۔

۸- اصلاحیات

حضرت حکیم الامتؒ کے معارف کا یہ آخری باب ہے اور خاصہ اہم باب ہے مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظران کو بارگاہ الہی سے عنایت ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتابوں سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچوں، طالب علموں، عورتوں سے لیکر مردوں، علماء و فضلاءُ کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے اور سب کیلئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔

دوسری طرف ان اصلاحات کی وسعت یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شادی وغمی کے رسوم اور روزمرہ کی زندگی تک کو وہ محیط ہیں، غرض ایک مسلم جدھر اپنی زندگی میں رخ کرے، ان کے قلم نے شریعت کی ہدایت کا پروگرام تیار کر رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت کی سب سے اہم چیز "مواعظ" ہیں واعظ

Marfat.com

تو بحمد اللہ زمانہ خیر کے بعد اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گذرے ہونگے مگر شاید واعظین میں ابن نباتہ اور ائمہ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانی رح کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہیں۔ لیکن یہ ان بزرگوں کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آخیر دور میں امت اسلامیہ کی اصلاح کے لیے بہت بڑا فضل یہ فرمایا کہ حضرت کے مستفیدین کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو مشہور ہوئے ہیں عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر میں لائیں اور حضرت کی نظر سے گذرا نکر ان کو دوسرے مسلمانوں کے عام فائدے کی غرض سے شایع کریں، چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو (۴۰۰) مواعظ جو احکام اسلامی، رد بدعات، نصائح دلپذیر، اور مسلمانوں کے مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہیں اور جن میں حقایق کے ساتھ ساتھ دلچسپیوں کی بھی کمی نہیں، مرتب ہوئے ہیں اور اکثر شایع ہوئے اور مسلمانوں نے ان سے فائدے اُٹھائے۔

سلسلہ اصلاح و تربیت میں حضرت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقائد و عبادات پر گفتگو فرماتے ہیں، حضرت ان چیزوں کی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہیں، بلکہ اپنی تربیت و سلوک کی تعلیم میں بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے تھے حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیوں سے بھلا دیا تھا

مواعظ کے علاوہ اس سلسلہ کی اہم کڑی ان کی کتاب "حیوٰۃ المسلمین" ہے جس میں قرآن و پاک و احادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی و دنیاوی

Marfat.com

ترقی و فلاح کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اپنی ساری تصنیفات میں اس کتاب کی تالیف میں جو محنت اٹھائی ہے وہ کسی میں نہیں پیش آئی اور اسی لیے یہ بھی ارشاد ہے کہ میں اپنی ساری کتابوں میں اس کتاب کو اپنے لیے ذریعہ نجات گمان کرتا ہوں۔

اس سلسلہ کی دوسری کتابیں اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، اصلاح امت، اصلاح انقلاب امت وغیرہ ہیں اور ہر ایک کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی خالص اسلامی طریق اور شرعی نہج پر ہو اور ان کے سامنے وہ صراط مستقیم کھل جائے، جو ہدایت کی منزل مقصود کی طرف جاتی ہے۔"

افسوس کہ اس مضمون کو جس استیعاب اور اہتمام کے ساتھ یہ ہیچمداں لکھنا چاہتا تھا اپنی علالت و عدم صحت کے سبب سے اس کو اس طرح پورا نہ کر سکا تاہم جو کچھ ہوا وہ اگر مسلمانوں کے لیے فائدہ بخش ثابت ہو تو بہت ہے

طوفان اشک لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

باب سوم

نقوش عملیہ

Marfat.com

خانقاہ کی حقیقت و اہمیت

بعض حقیقتیں محض الفاظ کی قدامت کے باعث مانی نہیں جاتیں اور اس کی وجہ محض جدت کا ناز ہے، ورنہ جو نگاہ حقائق تک پہنچ جائے وہ اعتراف پر مجبور ہوگی۔

"خانقاہ" کے لفظ کے ساتھ عجمیت و رہبانیت خدا جانے کس کس قسم کے غلط تصورات عام طور پر ذہن میں آجاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی حقیقت کے یہ بالکل برعکس ہیں۔ "خانقاہ" ایک ایسے محل کا نام ہے جہاں علوم باطنی کی عملی تعلیم و ترتیب ہوتی ہے یا یوں کہیے کہ یہ ایک ایسا ماحول ہے جو غیر اسلامی زہریلے اجزاء سے پاک اور روح کے لئے صحت بخش ہوتا ہے۔

دنیا کا ایسا کون سا تعلیمی نظام ہے جو بلا تربیتی نظام کے کامیاب ہوسکا ہے اور کون سی تعلیم گاہیں۔ یونیورسٹیاں اور کالج ہیں جن کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس اور ہاسٹلوں کا قیام ضروری نہیں ہے۔ اور کس ماہر تعلیم کے نزدیک مدرسہ اور اس کے اقامت خانہ کا ایک ساتھ ایک علیحدہ ماحول میں قیام ضروری و لازمی نہیں ہے؟ مشہور ادیب و ماہر تعلیم نیومن (NEW MAN) کے مضامین میں اس اہمیت کو پوری طرح واضح کیا گیا ہے ــ اور یہ اس وجہ سے ناگزیر ہے کہ محض کتاب و تقریر سے

ذہنیت و عمل کو بدلا نہیں جاسکتا بلکہ اس کے لیئے ایک خاص ماحول کا پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اس ماحول کا اثر اتنا گہرا اور قوی ہوتا ہے کہ گو مختلف صلاحیتوں اور استعدادوں کے لوگ یہاں آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق علوم کی تحصیل میں لگے رہتے ہیں لیکن دو چار برس یہاں رہکر اُن کے اندر ایک قدر مشترک، ایک خاص طرز فکر ایک مشترک زاویہ نگاہ اور مشترک طرز زندگی پیدا ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے آپس میں ہم رنگ اور دوسرے سے ممیز و ممتاز ہوتے ہیں — یہی منشا ہے ہاسٹلوں کے قیام کا!

آج بڑے بڑے ماہرین نفسیات کو ماحول کے ان قوی اثرات کا اعتراف ہے۔ چنانچہ انہیں میں کے ایک جے، ڈبلیو واٹسن کا دعویٰ ہے

> "بارہ صحت مند، توانا بچے میرے حوالہ کردو اور مجھکو اپنے خاص ماحول میں اُنکی تربیت کا موقع دو تو میں ان میں سے بلا تخصیص جس کو جس چیز کا ماہر بنانا چاہوں گا بنالوں گا — ڈاکٹر، مقنن آرٹسٹ اور ... بلکہ چاہوں تو بھکاری اور چور بھی — خواہ انکی استعدادیں ان کے رجحانات، ان کی صلاحیتیں اور ان کی نسلی و آبائی پیشے کچھ ہی ہوں" ۔ [1]

مگر یہ تو انتہا پسندی کی بات ہوئی اور خود دوسرے ماہرین نفسیات

---

[1] "The Basice Jeachings of the Great Psychologists" by S. S. Sargent. صفحات ۶۹، ۷۰

نے بھی اس کو غلو سے تعبیر کیا ہے، مگر ایس، ایس سارجنٹ کا یہ بیان تو میزانِ عدل میں صحیح ہے اور کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا کہ :-

"یہ پوچھنا کہ "ورثہ" (یعنی موروثی خصوصیات) اصل شے ہے یا "ماحول"؟ یہ ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں پوچھے کہ موٹر کار دوڑانے کے لیئے کونسی چیز اہم ہے موٹر انجن یا پیٹرول؟ ظاہر ہے کہ دونوں ہی ضروری ہیں — "ورثہ" میں تو وہ مواد خام ملتا ہے جس سے انسان کی تشکیل ہوتی ہے لیکن جو کچھ بنتا ہے اور جس انداز میں اُس کا مواد خام ڈھلتا ہے۔ اسی کا بڑا انحصار ماحول پر ہے۔ اچھا مواد اچھے ہاتھوں (یا ماحول) میں پہنچکر ایک "اعلیٰ" صورت اختیار کرتا ہے اور بُرا مواد خواہ کتنی ہی اچھی اس کی پرداخت ہو وہ کبھی "درجہ اوّل" کا ثابت نہیں ہو سکتا۔" [۱]

یعنی کچھ تو ضرور ہی نبتا ہے ع

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے!

انسانی ماحول کا اثر محض "ذوات انسانی" تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ساری فضا اس گروہ انسانی کے نیک یا بد اعمال سے "متاثر" ہوتی ہے۔ جسمیں وہ رہتے بستے ہیں اور بعد میں خود یہ فضا ایک "موثر" بن جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک ایسی جگہ جو مدتوں مقتل رہی ہو کسی اجنبی شخص کو لے جایئے، جو اس جگہ کی خصوصیت سے بالکل لاعلم ہو، دیکھئے کہ اس کا دل خواہ مخواہ دھڑکنے لگے گا۔ پھر اسی شخص کو ایک ایسی فضا میں لے آیئے

جہاں کبھی اللہ والوں نے "بسم اللہ اللہ" اور "لا الٰہ الا اللہ" کی رٹ لگائی ہو آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنی عدم واقفیت کی بنا پر وجہ تو نہ بتا سکے گا لیکن اس کو یہاں پہنچ کر سکون میسر آئے گا اور اندر ہی اندر اس کے قلب میں سرور کی ایک لہر دوڑ جائے گی۔

غرض انسانی ماحول اور فضا وہ موثرات ہیں جن سے انسانی دل اور دماغ ہر آن متاثر ہوتا رہتا ہے اور ان اثرات کے ماتحت اس کا عمل ایک خاص سانچے میں ڈھلتا رہتا ہے۔ پس اب جبکہ دنیا کی وسعتیں اکثر و بیشتر غیر اسلامی ماحول سے پٹی پڑی ہیں تو مسلمانوں کی دینی تربیت کے لیئے خاص تربیت گاہوں کا قیام اور ایک خاص فضا کی فراہمی کس درجہ ضروری اور ناگزیر ہے! قیام خانقاہ کا مقصد صرف یہی ہے اور خانقاہ کی حقیقت اس کے سوا کچھ اور نہیں؟

یہ گفتگو تو عقل پرستوں کو مخاطب کر کے کی گئی۔ لیکن آج ایک ایسا گروہ بھی ہے جو خود کو تعلیمات اسلامی کا حامی اور "تحریک اسلامی" کا علمبردار سمجھتا ہے لیکن اس کی نگاہ چونکہ ان نفسیاتی مسلمات و حقایق تک نہیں پہونچتی اس لیئے وہ "خانقاہ" کے لفظ ہی سے اس پر عجمیت کا فتویٰ صادر کرتا ہے اور وہ اس کے بغیر ہی "دینی اخلاق" پیدا کرنے کا مدعی ہے! گویہ بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی طبیب اپنے نقص علم و فن کی بنا پر یہ دعویٰ کرے کہ دق کے مریضوں کے لیئے سینیٹوریم قایم کرنا اور ان کو وہاں رکھنا سب فضول ہے۔ ان کا علاج تو اسی دق سے متاثرہ ماحول میں

Marfat.com

ہونا چاہیئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں ہیں بلکہ خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے دور میں بھی چونکہ مسلمان علم وعمل کے فرق سے ناآشنا تھے اور دین کی اصل اور اس کی روح سے پوری طرح باخبر تھے اس لیئے یہاں کسی الگ دینی تربیت گاہ کا وجود تھا نہ اس کی ضرورت! مگر دیکھیئے کہ خود "صحابہ" اور پھر "تابعین" کی عظمت و مرتبت خود لپنے لقب سے اس بات کا کھلا ثبوت دے رہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں "صحبت" اور "ماحول" کو کیا درجہ و مقام حاصل ہے، اور اس کا سیرت سازی میں کتنا عظیم الشان حصہ ہے اور اس کی وجہ سے ایک مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے!! ویسے خود عہد نبوی میں اصحاب صُفّہ کا وجود اور انکی تعلیم و تربیت کا نظام ایک خانقاہ کا ایڈیل ہے!

جب جامعیت کے یہ دور ختم ہو چکے اور سیاست اور حکومت کی زمام ایک ایسے طبقہ کے ہاتھ میں آ ئی جس کی نظر میں دین کا اصل کام (یعنی تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت) ثانوی حیثیت حاصل کر گیا اور ملک گیری اور تزک و احتشام ان کی غایت قرار پائے تو بعض نفوس قدسیہ نے موقع کی نزاکت کو تاڑا، وہ لرز گئے کہ کہیں بعثت نبوی کا منشائے حقیقی ہی فوت نہ ہو جائے اور اسی جذبہ کے ماتحت انھوں نے دین کی اصل کو سنبھالنا اپنا فریضۂ واحد قرار دیا، سیاست سے کنارہ کش ہو کر ایسی دینی تربیت گاہیں قائم کیں جہاں سے دین حنیف کو سمجھنے والے اور سنت مطہرہ سے عشق و

Marfat.com

وارفتگی رکھنے والے پیدا ہونے لگے ۔۔۔ یہی تربیت گاہیں بعد کو "خانقاہیں" کہلائیں۔ اور اسی ماحول کے پروردہ "صوفیائے کرام" کہلائے۔ ان صوفیائے عالی مقام نے اپنے ان اداروں کے متواتر قیام کے ذریعہ تبلیغ و اشاعت دین کے وہ کارنامے انجام دیئے جن سے آج تاریخ اسلام کی زینت ہے!

اس سے ہم کو انکار نہیں کہ آج بہت سی "خانقاہوں" سے ان کی حقیقی غرض و غایت مٹ چکی ہے، لیکن کیا اس کی وجہ سے اس ادارہ کی افادیت و ضرورت ہی کا انکار لازم آئے اور اس کی بیخ کنی کی جائے؟ یہ تو کوئی طریقہ اصلاح نہیں کہ اپنے جن جن اچھے طریقوں اور اصلاح کے اصولوں میں جہلا اور نفس پرستوں کے دخل کی وجہ سے خامیاں اور خرابیاں آگئی ہوں، سرے سے ان اصولوں ہی کو ختم کر دیا جائے؟ اگر یہی اصول اصلاح ٹھہرے کہ جس شئے میں خرابی آئے اس شئے ہی کو ختم کر دیا جائے۔ تو پھر ہم کو اپنے مدارس اور مساجد کے دروازے بھی بند کر دیئے جائیں جن میں خرابیاں راہ پا گئی ہیں۔ یہ طریقہ تعمیر کا نہیں تخریب کا ہے، یہ اصلاح نہیں تباہی ہے!!

ہر صدی کے سرے پر "مجددین" کے آمد کی نبوی پیش گوئی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اصل سے آمیزش کو دور کرنا اور اصل کو اپنے رنگ میں برقرار رکھنا یہی "اصلاح" ہے!!

خانقاہِ امدادیہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا، خانقاہوں کا قیام گو اس نام سے نہ ہو، مگر ایک تربیتی نظام کی شکل میں ابتدائی عہد ہی میں موجود تھا اور پھر رفتہ رفتہ اکناف عالم میں پھیلا اور آج تک چلا آ رہا ہے لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اکثر خانقاہوں سے ان کے قیام کی اصلی غرض و غایت اُٹھتی گئی اور یہ جو گیا نہ رسوم و رواج کا آماجگاہ بن گئیں۔ پھر بھی یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں چند خانقاہیں ضرور ایسی رہی ہیں جہاں تربیتِ اخلاق کا عظیم الشان فرض ہمیشہ انجام پاتا رہا ہے۔ اور یہاں آکر بڑے بڑے اہل علم نے اپنے غرورِ علمی کو، بڑے بڑے امرا نے اپنی نخوتِ دولت و جاہ کو اور کثر دنیاداروں نے اپنی نفس پرستیوں کو دور کیا ہے، اور اس روح پرور ماحول میں رہکر صبر و شکر، ایثار، تواضع اور اخلاص کے سے انسانی صفات اپنے اندر پیدا کیے ہیں۔ چنانچہ کون کہہ سکتا ہے کہ گنج مراد آباد میں شاہ فضل الرحمن صاحبؒ کے واسطے سے بھوپال میں شاہ ابو احمد صاحب کے فیض سے اور تھانہ بھون، دیوبند اور سہارنپور میں حاجی امداد اللہ صاحبؒ مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحب کے قیام سے اور حیدرآباد دکن میں شاہ سعد اللہ صاحب مجددی کے وجود

سے (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) یہی دینی ماحول پیدا نہ تھا، اور حقیقی خانقاہیت موجود نہ تھی؟ — اس سلسلہ کی دورِ حاضر کی آخری کڑی "خانقاہ امدادیہ" تھانہ بھون تھی، جہاں حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کے ذریعہ تعلیم اخلاق و تزکیہ نفوس کا ایک عظیم الشان اور وسیع ترین کام انجام پایا جو موجودہ حالات میں اور کہیں انجام نہیں پا رہا تھا۔

تھانہ بھون کی فضا اللہ والوں کے اجتماع اور ان کی پرخلوص طاعتوں کے باعث ایسی پرنور و روح افزا ہو گئی تھی کہ جو بھی چند روز یہاں قیام کرتا اس کی کایا پلٹ ہو جاتی، کتنے جنٹلمین یہاں آکر ایسے ہو گئے کہ مولوی بھی ان کے تقویٰ و طہارت سے شرمانے لگے اور کتنے علما یہاں آئے جنہوں نے عقلی کاوشوں سے نجات پائی اور تسکین قلب کے سرمایہ سے مالا مال ہو گئے، کتنے گم کردہ راہ، کشف و کرامات اور الوان و لطائف کے حصول میں جان کھپانے والے آئے اور یہاں آکر ان پر دین کی اصل کھل گئی اور محض رضائے الٰہی کا حصول ان کا مدعا بن گیا۔

فضا کی اسی کیفیت کو اور مقام کی اسی حقیقت کو خسرو ثانی خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (بی۔اے۔ال۔ال۔بی علیگ) نے خوب بیان فرمایا ہے اور اپنے چشم دید حقائق کا خوب نقشہ کھینچا ہے، خواجہ صاحب شاعر تھے۔ اس لئے اپنے مشاہدات اشعار میں بیان کئے ہیں۔ ورنہ یہ کوئی شاعری کی باتیں نہیں ہیں، یہ وہ حقائق ہیں جو ہر زائر خانقاہ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں:۔

Marfat.com

عجب فرحت گہے این خانقاہ است
عجب نزہت گہے این خانقاہ است

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

یکے ساقی و میخواران ہزارند
دو چشم مست او مشغول کارند

بہ میخانہ بہار است و بہار است
کہ در وجد و طرب ہر مئے گسار است

خوشا این بادہ نوشانِ الٰہی
زہے رندی زہے شانِ الٰہی

مپرس از ذاکران نیم شبہا
کہ مشغول اند یا لبہا و دلہا

چہ پرسی لطفِ وردِ صبح گاہی
کہ این نغمہ بہ است از مرغ و ماہی

پر از ذکر است گو ہر حجر تنگ است
چہ خوش این نغمۂ بے عود و چنگ است

دل این جا می کند اللہ اللہ
کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ

چہ صحت بخش است اینجا فضائے
دل اینجا بے دوا یابد شفائے

تعالی اللہ چہ عالی بارگاہے
کہ اینجا ہر گدائے پادشاہے

کس اینجا سیم و زر آلے ندارد
مگر با کس سرو کارے ندارد

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

بیا خود ترک کن کبر و منی را
چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را

زشرح فیض او قاصر زبان است
کہ کشتی بہ بحر بیکران است

بیا تا دیدہ گردد این شنیدہ
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

نگویم غیر حق کین امر دین است
یقین کن این ہمہ عین الیقین است

کہ مجذوب این ہمہ نشنیدہ گوید
قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید

Marfat.com

اس خانقاہ پر انوار الٰہی کی جو بارش ہوتی تھی اس کو لوگوں نے محسوس ہی نہیں کیا بلکہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ بھی کیا۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ایک خلیفہ حافظ محمد عمر صاحب علیگڈھی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ رات کی ٹرین سے تھانہ بھون آئے۔ جب ٹرین خانقاہ کے محاذ سے گذر رہی تھی تو انھوں نے صاف صاف دیکھا کہ خانقاہ کی مسجد کے گنبد سے آسمان سے تک انوار کا تار لگا ہوا ہے۔

Marfat.com

ضبط اوقات و تنظیم کار

دینداری آجکل "لا ابالی" کے مترادف سمجھی جانے لگی ہے، عقل و فراست سلیقہ و تمیز کا داخلہ گویا دین کی حکمرانی میں ممنوع ہے، اچھے اچھے پڑھے لکھے بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ دیندار کے پاس نہ کسی ضابطہ کی حاجت ہے۔ نہ قواعد کی ضرورت، اس کے ہاں نہ وقت کی کوئی قدر ہے نہ کلام کی کوئی تنظیم، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سچے پیرو سے زیادہ اور کس کی سیرت ہے جو بیک وقت بے تکلفی و سادگی اور نظم و ضبط کا جامع نمونہ ہو سکتی ہے؟

حیرت ہے کہ جس ذات والا صفات نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) اس کے پیرو آج رہن سہن میں، بول چال میں، لین دین میں اور زندگی کے تمام طور و طریق میں کسی بھی نظم و ضبط کے پابند نہ سمجھے جائیں؟ حکیم الامت کی مجددانہ شان کا یہ وصف بہت ممتاز ہے کہ آپ نے اپنی خارجی و داخلی زندگی کا ایسا اصولی نمونہ پیش کیا کہ دنیا جان گئی کہ اہل حق ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اور صاحب دانش مان گئے کہ دین کے مصلح ایسے ہی ہوتے ہیں —— لیکن بہت سے ناواقفوں نے اعتراض کیا کہ یہ اصول پسندی تو بالکل انگریزیت

ہے کہ ملنے کے اوقات مقرر۔ گفتگو کے طور طریق متعین، یہ بھی کوئی درویشی ہے؟۔

ع۔ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

خانقاہ امدادیہ میں وہ سارے اصول برتے جاتے تھے اور ان پر سختی سے عمل کرایا جاتا تھا جنپر ایک استاد و شاگرد اور پیر و مرید کے زیادہ سے زیادہ افادہ و استفادہ کا مدار ہے۔ یہ انہی اصول پسندی کا اعجاز تھا کہ تنہا حضرت تھانوی رحمۃ نے علمی و عملی وہ نقوش چھوڑے اور اس کثرت سے چھوڑے کہ عقل حیران رہجاتی ہے۔! اور یہ سب اصول معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ماخوذ و مستنبط تھے۔

خارجی زندگی

دوسروں کی سہولت اور اپنی راحت کے لیے حکیم الامت نے خانقاہ میں اپنے نظام الاوقات کا اعلانِ ذیل آویزاں کر رکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلان انضباط اوقات احقر!

تاکہ نہ اہل حاجت کا حرج ہو نہ تکلیف نہ احقر کا

۱۔ صبح سے بارہ بجے تک مجھکو متفرق ایسے کام رہتے ہیں جو تنہائی میں ہو سکتے ہیں اس وقت کسی سے ملنے میں یا بات چیت کرنے میں تکلیف بھی ہے حرج بھی ہے۔

ئے البتہ اوپر کے نمبر سے تین شخص مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ شخص جو تازہ آیا ہو اور صرف ملاقات کا مصافحہ کرنا چاہتا ہو۔ دوسرا وہ جو جا رہا ہے اور صرف رخصت کا مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کو ایسی حاجت ہو کہ اس میں مہلت نہیں ہو سکتی مثلاً درد زہ وغیرہ کا تعویذ لینا ہو یا فوری ضرورت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو جس میں تاخیر نہ ہو سکے مگر ان تین شخصوں کو چاہیئے کہ آتے ہی کہدیں کہ ہمارے اسوقت آنے کی یہ وجہ ہے تاکہ معلوم نہ ہونے سے پریشانی نہ ہو۔

ئے ۳۔ پھر بارہ بجے سے نماز ظہر سے فارغ ہو کر اپنی مجلس میں بیٹھنے تک میرے قیلولہ و نماز کا وقت ہے اس میں ملاقات سے اور نیز سب خدمات سے معافی چاہتا ہوں۔

ئے ۴۔ پھر جب ظہر پڑھکر اپنی مجلس میں حاضر ہو جاؤں اس وقت سے عصر کی اذان ہونے تک عام اجازت ہے آنے کی بیٹھنے کی ہر قسم کی بات چیت کی، تعویذ وغیرہ مانگنے کی، البتہ جمعہ کا دن تعویذ سے مستثنیٰ ہے!

ئے ۵۔ پھر اذان عصر سے نماز سے فارغ ہونے تک کے لیئے وہی قاعدہ ہے جو قیلولہ کے وقت کا ہے جو نمبر ۳ میں مذکور ہے۔

ئے ۶۔ پھر عصر سے فارغ ہونے کے بعد سے عشاء سے فارغ ہونے تک کیلئے وہ قاعدہ ہے جو صبح سے ۱۲ بجے تک کے وقت کا ہے جو نمبر (۱) میں مذکور ہے اور وہی لوگ یہاں بھی مستثنیٰ ہیں جو نمبر ۲ میں مذکور ہیں۔

ئے ۷۔ عشاء کے بعد تو علی الاطلاق معذوری ظاہر ہے، باستثنیٰ اضطرار

Marfat.com

شدید۔

۸ یہ قواعد ان صاحبوں کے لئے ہیں جو مجمع میں اپنا مقصود ظاہر فرما سکتے ہیں اور جو کسی کو کچھ پوشیدہ کہنا ہو۔ اس کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر تحریر کو کافی سمجھیں تو میری مجلس سے ملحق سہ دری کی دیوار میں ایک بکس لگا ہے اس میں لکھکر ڈالیں اور جس موقع پر جواب چاہتے ہوں اس کا پورا پتہ لکھدیں مثلاً فلاں نمبر کے حجرہ میں یا مسجد کے ممبر پر ہمیشہ بعد نماز فجر ایسے پرچے نکالے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے تحریری جواب مل جائے گا اور اگر وہ پوشیدہ بات زبانی ہی کہنا چاہیں تو ایسے ہی پرچہ کے ذریعہ سے تنہائی کا وقت پوچھ لیں۔ میں جو وقت بتلاؤں اس وقت بات کرلیں اور اکثر بعد مغرب کا وقت بتلایا کرتا ہوں۔

۹ بعض مہمانوں کو میں خاص اجازت دیکر تنہائی کے وقت میں بٹھلاتا ہوں، دوسرے حضرات اپنے کو اُن پر قیاس نہ کریں اور اسی طرح ایک کو کوئی خدمت پنکھا وغیرہ کی کرتا ہوا دیکھکر دوسرے اس کی تقلید نہ کریں۔ جبتک خاص اجازت حاصل نہ کرلیں، اسی طرح دوسری خدمت بھی بلا صریح اجازت نہ کریں جیسے جوتا اُٹھانا یا لوٹا بھر کر رکھنا وغیرہ۔

۱۰ راستہ میں بھی کوئی صاحب میرے ساتھ نہ چلیں نہ گھیرا کر پکاریں۔

نوٹ:- ۱ یہ سب قواعد ان صاحبوں کے لیے ہیں جو عقیدت مندی کے ماتحت ہو کر آتے ہیں اور جن کو کوئی دوسرا تعلق بھی ہو ان کے

Marfat.com

لئے یہ ضوابط نہیں۔ البتہ اگر کسی کو کسی خاص قاعدہ کا پابند کر دوں تو اس کو اس کی پابندی لازم ہے۔

نوٹ ۲۷: کسی وقت ضرورت سے کچھ ترمیم کر دوں تو ترمیم ہی پر عمل ہو گا۔ اسی طرح ذاتی ملازموں کے لئے دوسرے ضوابط ہیں جو ان کو زبانی بتلا دیئے گئے ہیں۔

کتبہٗ اشرف علی عفی عنہٗ

Marfat.com

اسی طرح نو وارد بن خانقاہ سے تعارف حاصل کرنے کے لئے آپ نے ایک فارم تیار رکھا تھا جس کی خانہ پری کر کے ضروری تعارف بہ سہولت حاصل ہو سکتا تھا۔ چونکہ آپ مسند ارشاد پر فائز تھے اور ہر پڑھے لکھے اور ہر عامی کے لیے آپ کی تربیت گاہ کھلی ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے ایسے انوکھے اصول استعمال کئے اور انکو سکھلایا جس کی وجہ سے زندگی کا سلیقہ وحسن اور اس کی راحت وآسایش ہر ایک کو میسر آگئی۔

خود حکیم الامت رح کی زبانی اس حکمت کو سنیئے۔

"بعض حضرات احقر کے پاس خاص مقصد کے لئے تشریف لاتے ہیں جن کی بجا آوری ان کے مفصل حالات ضروریہ کے مطلع ہونے پر موقوف ہوتی ہے، مگر اکثر کا میرے سوال کرنے پر بھی جواب نہیں ملتا یا بہت ہی ناتمام ملتا ہے یا کئی کئی بار کے پوچھنے پر ملتا ہے جس سے طبعاً اذیت ہوتی ہے۔ اور اذیت سے تنگی وکدورت، جو اُن کے مقاصد میں مخل ہوتی ہے چونکہ اس کی وجہ پوچھنے پر اکثر نے تصریحاً یہ وجہ بیان کی کہ زبانی سوال سے انتشار ہو جاتا ہے اس لئے سہولت کے لئے ذیل کا نقشہ تجویز کرتا ہوں کہ میں یہ نقشہ پیش کر دیا کروں اور وہ اس کی خانہ پری خود یا کسی سے کروا کر مجھکو عنایت فرما دیا کریں۔ جانبین کو اس میں راحت ہوگی۔

Marfat.com

نشان شمار	سوال	جواب
۱	نام	
۲	وطن اصلی	
۳	اس وقت کس مقام سے آنا ہوا اور اس مقام میں کتنا قیام رہا	
۴	شغل و وجہ معاش	
۵	موروثی زمین تو آپکے پاس نہیں۔	
۶	علمی استعداد اردو یا عربی یا انگریزی میں کس قدر ہے۔	
۷	اصلی مقصد آنیسے کیا ہے محض ملاقات یا کچھ کہنا اور لکھکر دینا یا زبانی، اور مجمع میں یا تنہائی میں۔	
۸	کسی سے بیعت ہے یا نہیں اور کس سے	
۹	اگر مجھ سے بیعت ہے تو بیعت کو کتنا زمانہ ہوا اور تعلیم کس سے متعلق ہے۔	
۱۰	میرے مواعظ اور رسائل کیا کیا دیکھے ہیں	
۱۱	اگر مجھ سے کچھ خط و کتابت ہوئی ہے تو وہ پاس ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو دکھلائی جائے۔	

نشان شمار	سوال	جواب
١٢	کتنا قیام ہوگا۔	
١٣	کہاں قیام ہوگا۔	
١٤	خانقاہ میں اوّل بار آنا ہوا ہے یا پہلے ہی آئے ہیں اگر پہلے بھی آئے ہیں تو کتنا قیام ہوا تھا؟	
١٥	یہاں کے انتظام طعام کی آپ کو خبر ہے یا نہیں۔	
١٦	باہر دالان پر اعلان قلمی[۵] دیکھ لیا یا نہیں	

اس کے سوا ہر ہر طبقہ کے افراد کے لئے الگ الگ اصول و ضوابط متعین تھے اور سب میں یہی روح کارفرما تھی۔ کہ پیر و مرید آنے والے اور ملنے والے دونوں کو راحت ملے۔ وقت ضائع نہ ہو اور خواہ مخواہ کی ملاقاتیں ختم ہوجائیں اب کوئی انصاف سے بتائے کہ کیا یہی نظم و ضبط "انگریزیت" ہے؟ اور کیا اس کے بغیر آپ بیسیوں تصانیف، سیکڑوں مواعظ ہزاروں ملفوظات اور روزانہ پچیس پچیس تیس تیس خطوط کے حکیمانہ جوابات دے سکتے تھے؟

داخلی زندگی | وعظ و پند، اصول و ضوابط صرف اغیار کے لئے نہ تھے

۵؎ یہ وہی اعلان ہے جو اوپر درج ہوچکا۔

Marfat.com

Marfat.com

تاکہ اُن کی خبر گیری و دلداری ہو۔ ان کی بیماریوں پر پوری فراخ دلی سے روپیہ صرف فرماتے اور ضرورت ہوتی تو دور دراز مقامات پر خود لیجا کر علاج کرواتے، اس طرح "تعلق مع اللہ" کے بہانے "حقوق العباد" کو کبھی پائمال ہونے نہ دیتے تھے، یہ تو اُن راہبوں یا جوگیوں اور دوکانداروں کا شعار ہے جو سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نا آشنا ہیں، جن کے نزدیک عبادات اور تعلق مع اللہ کا رشتہ اتنا نازک اور کوتاہ ہے کہ مسجد، خانقاہ کے باہر قدم رکھتے ہی تار تار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سنت کے اتباع میں جو فعل خواہ مسجد و خانقاہ میں ہو، خواہ گھر اور بازار میں عین عبادت اور ترقی قرب کا موجب ہے، اور یہی صفت "بے ہمہ و باہمہ" کمال انسانیت کی دلیل ہے"
ورنہ رہبانیت و جوگیت کونسا مشکل کام ہے ؎

زاہد شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست

حکیم الامتؒ نے دو عقد کر کے عدل و انصاف کی وہ نظیر قائم کی کہ اب لوگوں کے لیئے عقد ثانی کی جرأت مشکل ہو گئی، خود فرماتے تھے۔
"میں تو ایک کی باری میں، دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے اس کی طرف توجہ میں کمی ہو گی جس کی باری ہے اور یہ اسکی حق تلفی ہے۔ اب میں اپنے کپڑے خانقاہ ہی میں رکھتا ہوں کیونکہ اگر میں ایک گھر میں کپڑے رکھتا تو دوسرے گھر والوں کو شکایت ہوتی کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں جتنی دوسری کے ساتھ ہے"

Marfat.com

مجدد ملت کے اس شعار کو غور سے دیکھیے اور جان لیجیے کہ دنیا اری میں معاشرت[1] و معاملات[2] و اخلاق[3] اتنے ہی مہتم بالشان ہیں جتنے عقائد[4] اور عبادات[5] تکمیل دین کے لیے ان پانچوں پہلوؤں پر یکساں نظر ضروری ہے!

آپ کو سخت رنج ہوتا جب شوہروں کے ظلم و ستم کی روایتیں آپ تک پہنچتیں، آپ ہر ایک کو اپنی بیوی پر مہر و کرم، عفو و در گذر اور پاس مروت کی تلقین فرماتے تھے!

Marfat.com

توازنِ طبع

در کفے جام شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حق تعالیٰ کی محبت کو جان و دل میں بسا کر پھر بھی اپنے جذبات کو عقل کے تابع اور عقل کو شریعت کے تابع رکھنا کوئی مذاق نہیں یہ صرف کاملین کا حصہ ہے۔ ابتدائی اوراق میں گذر چکا کہ حکیم الامت نسباً فاروقی تھے، آپ کے اندر محبت و غیرت دین اور حسنِ انتظام و سیاست کی وہی آن موجود تھی جو اسوۂ فاروقی کا طغرائے امتیاز ہے۔ لیکن بعض نادانوں نے آپ کے مزاج کی اسی "حدت" کو "شدت" و بدخوئی سمجھا اور خطوط بھی لکھے۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول نے اس گرہ کو بالکل کھول دیا ہے۔ فرمایا:

آسمان میں دو فرشتے ہیں ان میں سے ایک سختی کی فرمائش کرتا ہے دوسرا نرمی کی اور دونوں صواب پر ہیں۔ ان میں ایک جبرئیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے میکائیل علیہ السلام ہیں اور دو نبی ہیں ایک نرمی کا امر فرماتے ہیں دوسرے شدت کا اور دونوں صواب پر ہیں اور وہ ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور میرے دو صحابی ہیں ایک نرمی کا امر کرتے ہیں اور دوسرے شدت کا وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔" نیز ارشاد ہے"

Marfat.com

"تیزی میری امت کے لوگوں کو پیش آتی ہے اور تیزی کا مستحق بوجہ عزت قرآن کے قرآن والے سے زیادہ کوئی نہیں"، دیکھنے والوں نے دیکھا اور صبح سے شام اور شام سے صبح تک، مہینوں نہیں برسوں تک دیکھا کہ اگر خلاف دین امور پر آپ برہم ہو جاتے تھے تو دوسری طرف شفقت کا یہ عالم تھا کہ عام مسلمان پروانہ وار گھر آتے تھے، جو زبان سے جھڑکے جاتے تھے وہ بھی دل سے کھنچے آتے تھے بقول مجذوب رح ؎

زبان سے وہ کچھ ہی کہے جائیں مجھ کو
نگہ دے رہی ہے پیام محبت

پس اصلاح و تربیت کے لئے اصول صحیحہ کی پابندی میں کسی قدر سختی کا اظہار سیاست و انتظام کے لئے تھا نہ کہ دل کی قساوت کی وجہ سے، دل کی قساوت کی دلیل تو قرآن پاک نے صاف بتا دی ہے کہ "اے رسول آپ "غلیظ القلب" ہوتے تو لوگ آپ کے اطراف نہ گھر آتے" یعنی لوگوں کا سمٹ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک شفقت و رافت کے جذبات عالیہ سے معمور ہے ع

تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدائی شود؟

اصل یہ ہے کہ شفقت کے مفہوم اور مقام "ارشاد" و "تبلیغ" کو لوگوں نے سمجھا نہیں ہے، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رح فرماتے ہیں۔

"شفقت و رحمت کے اس کے سوا کوئی معنی نہیں کہ تم اپنے بھائی

Marfat.com

کو عذاب دوزخ سے نکال کر جنت کی طرف لے جاؤ، اور جہل سے علم کی طرف اور مذمت سے حمد کی طرف اور نقصان سے کمال کی طرف منتقل کردو۔ شیخ کیلئے یہ شرط ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اس سے صادر ہو، تنبیہہ و زجر کرے، اور اس میں عفو و درگذر کو راہ نہ دے۔ اگر عفو سے کام لیا تو اس مقام کا حق ادا نہ کیا جس مقام پر وہ قائم ہے بلکہ وہ ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت و عظمت پر قائم نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کرے گا (یعنی جس کا جرم ظاہر ہو گا) اس پر حد قائم کریں گے"۔

اپنے مقام و منصب کی یہی ذمہ داری تھی جو حکیم الامت کو سختی پر آمادہ کرتی تھی ورنہ بارہا آپ نے فرمایا کہ:۔

"یہ طرز میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے، اور مجھے بعد کو بڑی کلفت و ندامت بھی ہوتی ہے۔ اور رہ رہ کر سوچا کرتا ہوں کہ بجائے اس طرح کہنے کے اس طرح بھی کہہ سکتا تھا، بجائے یوں سمجھانے کے یوں بھی سمجھا سکتا تھا، بجائے اس تجویز کے یہ تجویز بھی کر سکتا تھا، لیکن عین وقت پر مصلحت اصلاح کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اور کوئی مصلحت پیش نظر رہتی ہی نہیں۔ اور یہ بھی سمجھی تکتا ہے جبتک میں نے اپنے ذمہ اصلاح کی خدمت سمجھ رکھی ہے اور اگر کبھی اس سے قطع نظر کر لی تو پھر

ہیں انشاء اللہ تعالیٰ خوش اخلاق بھی نبکر دکھلا دونگا۔ میرا اصلی مذاق تو یہی ہے کہ کسی سے کچھ تعرض ہی نہ کروں اور اپنے آپ کو سب سے یکسو رکھوں بقول احمد جام رح ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

حکیم الامت کی شفقت کا تو یہ حال تھا کہ مدتوں بہائم تک کے لئے آپ نے دعا فرمائی ہے تو پھر انسانوں کا اور خصوصاً مسلمانوں کا کس درجہ خیال نہ ہوگا۔ ترکوں کی شکست پر فرمایا تھا:۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھکو ہمیشہ راحت ہی راحت میں رکھا ہے اس لیئے میں نے کبھی یہ نہ جانا کہ غم کیا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ غم اس کو کہتے ہیں کیونکہ ترکوں کی شکست اور مسلمانوں کی ذلت وخواری کا قلب پر اتنا شدید صدمہ ہے کہ کھانا پینا بھی تلخ ہے"

اصول برتنے والوں میں ایسے بہت سے دیکھے ہونگے جو دوسروں پر تو قواعد کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں لیکن خود ہر قید وبند سے آزاد رہتے ہیں۔ حکیم الامت رح ایسے نہ تھے، پہلے خود پابند ہوتے تھے اور پھر تلقین فرماتے تھے، مولوی شبیر علی صاحب مدظلہ تو آپ کے بھتیجے اور ابتدا ہی سے ہر معنی میں آپ کے زیر تربیت تھے اور ان پر حضرت کو ہر طرح کا حق حاصل تھا، لیکن آپ نے ان کے معاملہ میں بھی کبھی بے اصولی نہ برتی، جب وہ خود آپکی خدمت میں کسی غرض سے آتے تو کبھی اپنا کوئی کام ان کے سپرد

نہ فرماتے، مصلحت یہ تھی کہ آیندہ ان کو آنے میں تکلف نہ ہو اور اس تصور سے کنارہ کشی نہ کرلیں کہ صاحب وہاں جائیں تو کوئی نہ کوئی کام لگا دیا جاتا ہے جب کوئی کام لینا ہوتا تو حضرت خود اُن کے پاس جاتے اور فارغ پاتے تو کہہ دیتے ورنہ لوٹ آتے تھے۔ اور یہ تو پھر بھی بھتیجے تھے، اپنی ازواج سے کبھی کھانا کھا کے یہ نہ فرمایا کہ "برتن اٹھا لو"، بلکہ یہ فرماتے تھے: "برتن اُٹھوا لو"، تاکہ ان کا وقار متاثر نہ ہو اور جذبات کسی درجہ میں بھی مجروح نہ ہونے پائیں ___ اس سے بھی بڑھکر یہ تھا کہ نوکر اگر دبے سے اُٹھاتا تو خود اپنے آپ کو عمداً کسی کام میں مشغول فرما لیتے تھے۔ تاکہ وہ اپنے حوائج سے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو سکے اور یہ خیال اس کو دامنگیر ہو کہ آپ اس کے منتظر ہیں، نیز نوکروں کو پیسے کبھی پھینک کر نہیں دیتے بلکہ اپنے سامنے رکھکر اُن سے فرماتے کہ یہ اُٹھا لو تاکہ ایک طرف ان کی تحقیر نہ ہو اور دوسری طرف مال و زر جو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اُس کی قدر ملحوظ رہے۔

حکیم الامت رح کی نہ عادت تھی نہ آپ کو پسند تھا کہ مخالفین کے اعتراضات کے جواب دیئے جائیں، حق بات کا اظہار کر کے خاموش ہو رہتے تھے، فرمایا کرتے کہ۔

"جب میں سنتا ہوں کہ کسی مناظرہ میں اہل بدعت کے مقابلہ میں اپنی جماعت غالب آگئی تب بھی صدمہ ہی ہوتا کہ عوام کیا کہتے ہونگے کہ مولوی آپس میں لڑ رہے ہیں، ایسے مناظروں سے عوام کو بہت

Marfat.com

ضرر پہنچتا ہے اور باطل کو فروغ ہوتا ہے، اگر ان پر التفات ہی نہ کیا جاتا تو ان کی یہ ہمت نہ بڑھتی"۔

حکیم الامت رح کے عاشق سنت ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ ہر امر میں جہاں تک گنجائش ہوتی سہولت ہی پسند فرماتے تھے کیونکہ حدیث شریف میں صاف موجود ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ اسی چیز کو اختیار فرمایا جو ان دونوں میں آسان تھی" راز یہ ہے کہ اس میں اپنی کم طاقتی کا اعتراف ہے اور اپنی درماندگی کا اظہار اور یہی عاجزی و تواضع "عبدیت" کا خاصہ ہے!!

احترام شریعت کا جذبہ تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اپنے والد کے ذمہ جو مہر ان کی چار ازواج کا باقی رہ گیا تھا وہ ان ازواج کے ورثاء کا پتہ چلا چلا کر والد ماجد کے ترکہ سے ادا کیا اور دو سال برابر اسی تحقیق و تفتیش میں گذار دیئے۔

عام حدودِ اخلاق کے تحفظ کا یہ حال تھا کہ جب کسی نے "نجدی مسلک" اور نجدیوں کے خلاف سخت سست الفاظ میں رد لکھا اور یہ تحریر آپ کی خدمت میں آئی تو صاف صاف لکھ دیا:۔

"ان رسالوں کے نفع سے غالباً میں محروم رہوں گا جو اہل نجد کے متعلق ہیں کیونکہ بوجہ فقدان ذرائع "مخالفت و موافقت" میرا مسلک ان کے طرز عمل کے باب میں سکوت ہے اور ذرائع مندرجہ اسالیب کی بھی مجھکو شرعی تحقیق نہیں، ان کے باب میں سکوت ہی ہے، البتہ ان کے جو مسائل مجھکو معلوم ہیں ان میں سے بعض میں ان کے ساتھ مجھکو سخت اختلاف ہے

Marfat.com

جیسے "مفہوم شرک میں غلو"، اور "جیسے توسل میں یا شدرحال میں تشدد" مگر ان کے رد کے وقت بھی میں سخت الفاظ استعمال نہیں کرتا"

مزاج کی ان ساری باریکیوں اور اصول پسندیوں کے باوجود، اور ایک دو نہیں سیکڑوں ہزاروں مریدوں اور جاں نثاروں سے ہمدردی و شفقت کا تعلق ہوتے ہوئے بھی، یہ حکیم الامت کا کمال تھا کہ قلب کسی بات میں اٹکا نہ رہتا تھا۔ نہ اس میں کسی غیر کا گذر ممکن تھا، بلکہ یہ مکان ہمیشہ صرف اسی ایک نور السموات والارض کی تجلیوں سے معمور اور اسی ایک محسن حقیقی کے احسانمندی کے جذبہ سے سرشار رہتا تھا؛ خود فرماتے تھے۔

"ان مجذوب صاحب کی توجہ کا جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں، یہ اثر ہے کہ کسی میں دل اٹکا ہوا نہیں، یوں اپنے متعلقین و احباب سے بے حد محبت ہے لیکن یہ نہیں کہ کسی کی مفارقت سے پریشانی ہو۔ اور دھیان لگا رہے بس تھوڑا سا افسوس ہوتا ہے۔ الحمد للہ میرے قلب میں "حرارت" ہے "قساوت" نہیں اور مزاج میں "حدت" ہے "شدت" نہیں!"

Marfat.com

تبلیغ و اشاعت دین

مجددین کا ظہور خیر القرون کے بعد سے یہ تو ہوتا ہی آیا ہے کہ شریعت اسلامی کے صاف و بے داغ چہرہ پر جہلا اور دنیا داروں نے خاک ڈالنے کی کوشش کی ہے، اور اپنے اپنے وقت پر ہر جگہ حضرات مجددین نے اس گرد و غبار کو صاف کر کے شریعت کے حقیقی حسن و جمال کو دکھایا ہے۔ پہلی صدی میں عمر ابن العزیز حسن بصری یا امام باقر وغیرہ۔ دوسری صدی میں امام شافعی یا یحییٰ بن معین امام الجرح و التعدیل۔ تیسری میں حافظ ابن شریح، امام ابو الحسن اشعری یا نسائی صاحب سنن نسائی۔ چوتھی میں امام باقلانی، امام سہل بن یا ابو حامد یا حاکم صاحب مستدرک پانچویں میں امام غزالی۔ چھٹی میں امام رازی و رافعی۔ ساتویں میں ابن دقیق العید و ابن تیمیہ۔ آٹھویں میں امام بلقینی یا حافظ زین الدین عراقی۔ نویں میں سیوطی یا امام سخاوی، دسویں صدی میں شمس الدین بن شہاب الدین۔ گیارہویں میں شیخ احمد سرہندی۔ ابراہیم بن حسن کردی نزیل مدینہ۔ بارہویں میں شاہ ولی اللہ دہلوی شیخ صالح بن محمد بن نوح نزیل مدینہ۔ تیرہویں میں مولانا سید احمد بریلوی و مولانا اسمٰعیل شہیدؒ۔ (رحمہم اللہ علیہم اجمعین) یہ سب حضرات اسی مقام اعلیٰ پر

---

۱ تفصیل کے لئے دیکھو مقدمہ جامع المجددین

قائم رہے ہیں۔ اور اپنے اپنے دور میں ان بزرگوں نے تجمیت، بدعات اور رسوم و اوہام کی بیخ کنی کر کے سنت مطہرہ کو زندہ کیا ہے۔ ان کے کاموں ہی سے اہل تقویٰ وفراست نے ان کے "مجدد" ہونے کا گمان غالب کیا ہے۔ ورنہ کسی مجدد کا مجدد ہونا کوئی ادعائی اور یقینی مسئلہ نہیں اور نہ کسی مجدد نے اپنی شخصیت کی کبھی دعوت دی ہے اور جس کسی نے ایسا کیا ہے وہ باطل ہے کیونکہ مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جزو بھی نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ہر صدی میں اس مسئلہ کے تعین میں نیک نیتی سے دو شخصوں کی رائیں حسب عقیدت و محبت مختلف رہی ہیں اور رہ سکتی ہیں، ان میں سے کسی ایک پر ایراد و اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن پھر سوال ہوتا ہے کہ اس ظنی و قیاسی مسئلہ پر کسی درجہ میں بھی زور دینے کی وجہ آخر کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ مجدد وقت کو نہ پہچاننے اور اس کو نہ ماننے کی وجہ سے کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی سے اکثر محرومی رہتی ہے اور بدعات و فسادات کے دلدل سے نکلنا دشوار ہوتا ہے اور مسلمان ٹھیک صراط مستقیم پر نہیں رہ سکتا جو نہایت ضروری چیز ہے اور جس پر ثمرات دینی کا مدار ہے، اگر اس مسئلہ کو اتنی اہمیت بھی نہ ہوتی تو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت نہ دیئے جاتے کہ

"بے شبہ اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے کو پیدا کریگا جو اس کے لئے اس کے دین کو نیا کرے گا۔"

چودھویں صدی میں مجدد ہندوستان میں مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے پیر حضرت سید احمد بریلوی کے مساعی

کے بعد پھر بدعات و رسوم کو فروغ ہو چلا تھا۔ طریقت و حقیقت کے نام سے زندقہ پھیل رہا تھا۔ ادھر دوکاندار صوفیا کے ڈھونگ سے تو تعلیم یافتہ طبقہ میں دین سے تنفر پیدا ہو رہا تھا، ایسے میں رحمت باری کو پھر جوش ہوا اور اس نے تھانہ بھون کی خاک سے ۱۲۸۰ھ میں ایک مجدد پیدا فرمایا جس نے ۱۳۰۱ھ مسند ارشاد پر آکر ۱۳۶۲ھ تک اپنی زبان و قلم اور علم و عمل کے ذریعہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش کو پھر سے اجاگر کرنے کی کامیاب سعی فرمائی۔

آپ کی ہمہ گیر اصلاحات سے آپکی حیات ہی میں لوگوں کو آپکے مجدد ہونے کا گمان ہو چلا تھا۔ ایک مولوی صاحب نے ایک مرتبہ جرأت کر کے خود حکیم الامت سے یہ بات پوچھی، جواب ملا :-

"چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں، اس لیئے اس کا احتمال مجھکو بھی ہے مگر اس سے زیادہ جزم نہ کرنا چاہیئے۔ محض ظن ہے اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا نہیں۔"

وعظ کے ذریعہ تبلیغ

حکیم الامت کے قلمی و علمی کارناموں کا ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا۔ یہاں صرف لسانی و عملی حصہ کا ذکر مقصود ہے۔ آپ کا پہلا وعظ خود آپکے والد ماجد کی فرمائش پر شاید اٹھارہ[۱۸] برس کی عمر میں جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا۔ جس کی تفصیل خود حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی یہ ہے۔ "سب سے پہلا وعظ میں نے جہاں تک مجھکو یاد ہے والد صاحب کے حکم سے کہا تھا۔ جبکہ میری شادی ہوئی تھی والد صاحب تو تقسیم طعام کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے انھوں نے تو حوض والی مسجد میں جمعہ پڑھا میں اور ماموں

زاہد علی صاحب جامع مسجد میں جمعہ کے لیے گئے والد صاحب نے ماموں صاحب سے فرمادیا تھا کہ نماز کے بعد وعظ کا اعلان کردیں چنانچہ انھوں نے اعلان فرمادیا۔ میں بڑا گھبرایا کہ وعظ کیونکر کہوں گا۔ میں نے ماموں صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے اعلان کیا ہے تو آپ ہی وعظ فرمائیں۔ فرمایا تم کو کہنا ہوگا۔ بالآخر میں مجبور ہوا ممبر کے اوپر تو نہیں بیٹھا بلکہ نیچے کے حصہ پر بیٹھ گیا۔ اور سر جھکا کر "آلٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ" چند آیتیں پڑھکر انکا ترجمہ کیا اور تھوڑی دیر مطلب بیان کرکے ختم کردیا، اس کے بعد جو مسجد سے باہر نکلا تو مجھے ماموں صاحب نے آگے چلنے کو فرمایا میں نے عذر کیا آپ سے آگے کیونکر چل سکتا ہوں، فرمایا اب تم مقتدا ہوگئے اور مقتدا کا احترام ضروری ہے۔ اگر ہم گھر کے آدمی ہی احترام نہ کریں گے، تو دوسرے کیونکر احترام کریں گے۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ تم آگے چلو حکم سے مجبور ہوکر مجھے آگے چلنا پڑا وہ میرے پیچھے چلے اللہ، اللہ پہلے بزرگوں کو مصالح پر کیسی نظر تھی پھر رات کو مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کو خواب میں دیکھا مولانا بڑے خوش تقریر تھے مجھے مولانا سے بہت محبت تھی اور مولانا بھی مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ مجھے مولانا کے انتقال کا بہت رنج تھا، میں نے خواب میں بھی یہی عرض کیا کہ مجھے آپ کے انتقال سے بہت رنج ہے، فرمایا میں تو اب بھی تمہاری طرف اُسی طرح متوجہ ہوں جیسا کہ زندگی میں تھا۔ اس کے بعد میرے کسی وعظ میں رکاوٹ نہیں ہوئی، اور پھر تو ہم "سراج الواعظین" ہوگئے"۔ (دیکھو بزم جمشید)

پھر تو شہر در شہر اور قریہ قریہ میں وعظ ہوتے رہے، اور یہ حالت رہی کہ:۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ۔۔۔ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ہندوستان کے اکثر چھوٹے بڑے شہروں اور ریاستوں کے دارالخلافوں میں آپ کے

Marfat.com

وعظ ہوئے اور ہر جگہ ان کی برکت سے دوکاندار مشائخوں کے بازار سرد ہو گئے، ان کے گاہک کم ہو گئے، تو تعلیم یافتہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں، انھیں دین کی صحیح تصویر نظر آئی، ان کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور دین کے حقیقی جلوہ نے ان کے دلوں کو موہ لیا نتیجہ یہ کہ سیکڑوں جنٹلمین عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گئے۔ مواعظ کی پر تاثیری کا ثبوت اس سے زیادہ کیا چاہیئے کہ جس شہر میں چند مواعظ ہو گئے مسجدیں آباد ہو گئیں قلوب ذوق اتباع سنت سے معمور ہو گئے ؎

سو سو کو مست کرتے ہیں اک اک نگاہ میں ؎ جس بزم میں گئے اسے میخانہ کر دیا

آج بھی جو کوئی کم از کم خالی الذہن ہو کر ہی ان مواعظ کا مطالعہ کرے تو دل میں دین کی عظمت و محبت پیدا ہوتی ہے، صراط مستقیم پر چلنے کی ہمت آجاتی ہے اور دنیائے دون سے گھن آنے لگتی ہے!!

اور اپنے مقام بلند کا پتہ چل جاتا ہے کہ ؎

ترا ز کنگرۂ عرش می زند صفیر

ندانمت کہ دریں کارگہ چہ افتاد است

انگلستان میں بالواسطہ تبلیغ

آپ کی تبلیغ گو ہندوستان کی حد تک خاص تھی لیکن اس کے بالواسطہ اثرات افغانستان و ایران بلکہ انگلستان تک پہنچ گئے تھے، چنانچہ حضرت ہی کے ایک ہم وطن معتقد مرحوم حبیب احمد تھانوی یورپ گئے ہوئے تھے۔ اُن کی زبانی اسلام کی خوبیاں سُن سُن کر کچھ انگریز عیسائی مسلمان ہو گئے جن میں بعض اعلیٰ خاندان و طبقہ کے لوگ بھی تھے۔ چونکہ حبیب احمد صاحب

Marfat.com

حکیم الامت سے خط وکتابت رکھتے تھے اس لئے بعض انگریزوں نے حضرت سے اپنے نام بھی تجویز کرائے، حکیم الامت کی ہر ادا حکمت آمیز و حکمت آموز تھی، ایک لیڈی پروفیسر جس کا نام "براڈ سے" تھا جب وہ مسلمان ہوگئی تو آپ نے اس کا نام اسلامی "برمیدہ" (رکٹ کر آئی ہوئی۔ مراد کفر سے اسلام کی طرف) رکھا جس سے وہ بڑی خوش ہوئی کہ تلفظ کی دقت بھی باقی نہیں رہی —— اسی طرح ایک اور انگریز خاندان مسلمان ہوا اس کو حکیم الامت سے اس درجہ تعلق ہوا کہ ہندوستان آکر نیاز حاصل کئے بغیر چین نہیں آیا۔

اسی طرح حبیب احمد صاحب کے ذریعہ آپ کا فیض انگلستان میں بھی جاری رہا جب کچھ امیدیں زیادہ بندھیں تو مرحوم نے حضرت کو انگلستان آنے کی دعوت دی تاکہ تبلیغی کام پوری قوت سے ہو سکے، آپ نے عزم فرمالیا اور اپنے ساتھ ایک انگریزی دان رفیق کو بھی منتخب فرمالیا اور احتیاطاً داعی کو لکھ بھیجا کہ۔

"اگر میرے طرز تبلیغ اور جوابات سے وہاں کے لوگوں کو تشفی ہوتی ہو اور نفع کا قوی امکان ہو تو یہ سفر اختیار کر دوں، ورنہ مناسب نہیں"

لیکن حق تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ انگلستان کی تاریکی دور ہو، آپ کے اس خط کا جواب آنے نہ پایا، اور حبیب احمد صاحب تھانوی راہی ملک بقا ہو گئے اور حضرت نے ہمیشہ کیلئے ارادہ ترک فرمادیا۔

اصول سفر آپ نے نہ کبھی فرمائشی وعظ کہے نہ وعظ کہنے کا کوئی معاوضہ قبول کیا، جہاں جانے عام دعوتوں سے گریز فرماتے۔

اور اپنے ساتھیوں کا بار کسی پر نہ ڈالتے، کبھی ایسے مقام پر قیام نہ فرماتے۔ جہاں عام مسلمانوں کو آنے اور ملنے میں دشواری ہو۔ ایسا بھی ہوا کہ کبھی کسی خوش عقیدہ امیر کے ہاں قیام کا موقع آیا لیکن اس کی صورت بھی یہ رہی کہ اہل خانہ کے لیئے تو وقت متعین و مقرر رہا اور باقی بیشتر وقت عوام کے لیئے خالی رکھا گیا والیان ریاست کی ملاقات سے عموماً گریز فرماتے کیونکہ اس میں نفع کی کوئی اُمید نہ پاتے تھے۔

حکیم الامت جب سفر کا قصد فرماتے تو پہلے اس کی مقدار و غرض متعین ہوتی۔ پھر اس کے مطابق سامان اور دوسری سہولتیں مہیا کی جاتیں اور اتنے دنوں کے لیئے ڈاک کا انتظام پہلے ہی سے فرمالیا جاتا ـــــ دوران سفر ہر جگہ سے گھر کو خطوط لکھتے رہتے تھے۔ تاکہ اہل خانہ اور اہل خانقاہ مطمئن وبے فکر رہیں۔ سفر میں درجہ سوئم کو ترجیح دیتے تھے۔ ویسے جب سہولت ہوتی تو درجہ دوم و اول میں بھی سفر کرتے تھے۔ دوران سفر خطوط کے جوابات اور تصنیف کا کام برابر جاری رہتا تھا۔

سفر کرتے ہوئے جب غیر مسلموں سے گفتگو کی نوبت آتی تو ایسی جامع اور دل نشین گفتگو فرماتے کہ اہل باطل پر اسلام کی حقانیت کا سکہ بیٹھ جاتا تھا۔ البتہ دوران سفر کسی کو بیعت نہ کرتے تھے بلکہ اس سے خواہش کرتے تھے کہ تھانہ بھون آکر کچھ عرصہ دیکھ لے، صرف باتوں میں نہ آجائے کیونکہ باتیں بنانا تو بہت آسان ہے اصل شئے عمل و اخلاص ہے جس کے بغیر مقصد بیعت حاصل ہونا محال ہے۔ اس اصول میں دوسری مصلحت

یہ تھی کہ لوگ بیعت کو محض رسم اور سستا سودا نہ سمجھ لیں بلکہ اس کی حقیقت و وقعت بھی ان کے ذہن نشین ہو جائے۔

یہ حق تعالیٰ کا انعام تھا کہ سفر میں آپ کو کبھی علالت کی نوبت نہ آتی اور تبلیغ و اشاعت دین میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔

تبلیغ کی تاکید اور مجلس "دعوۃ الحق"

آپ کی تمنا تھی کہ تبلیغ کا اہتمام بھی تعلیم کی طرح لازمی کر دیا جائے

چنانچہ مدارس دینیہ کو ہمیشہ اس طرف متوجہ فرماتے رہے اور اپنے مدرسہ میں خود اس پر عامل رہے فرماتے تھے۔

"نصوص کثیرہ صلاح کیساتھ دوسروں کی اصلاح کی تاکید بھی وارد ہے اور سورۂ والعصر تو بلا شرکت خاص اس موضوع کیلئے نازل ہوئی ہے اس میں جہاں تصحیح عقائد و اصلاح اعمال کو نجات کی شرط فرمایا ہے جو حاصل ہے خسران سے بچنے کا، وہیں وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر میں دوسروں کی تعلیم عقائد و اعمال کو بھی شرط نجات میں داخل فرمایا ہے اس کے علاوہ قرآن و حدیث میں اسی مضمون کے اور بے شمار نصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور وعظ و تذکیر کے عنوان سے نہایت تاکید اور اہتمام کے ساتھ مذکور ہیں اور اس میں سستی و ترک پر شدید وعیدیں بھی وارد ہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کا خاص فریضہ ہی رہا ہے باقی دین کے جتنے شعبے ہیں مثلاً افتاء، درس و تصنیف وغیرہ سب اسی کے آلات و مقدمات

Marfat.com

ہیں، خود تنظیم (یا حکومت) جس کی ضرورت سبکو تسلیم ہے۔ اسلام میں وہ بھی اسی کے تابع اور اسی کا مقدمہ ہے۔ چنانچہ اس آیت الذین اِمَّکنٰاھم فی الارض الخ میں جہاں تمکین کے مقاصد ذکر فرمائے ہیں ان میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بھی جزء مقصود فرمایا گیا ہے۔

غرض اسی اہمیت کے پیش نظر رسالہ "حیٰوۃ المسلمین" بڑی تحقیق و تدقیق سے تصنیف فرمایا اور اس کی اشاعت کے بعد لوگوں میں تبلیغ و اشاعت دین کی ایک خاص صورت تجویز فرمائی اور "مجلس دعوت الحق" کے نام سے ایک تنظیمی خاکہ مرتب فرمایا۔

"اس مجلس دعوۃ الحق کا اصلی مقصد تعلیم المسلمین[۵] و تفہیم المسلمین[۲] کی عملی ترویج کے ذریعہ مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنا اور کامیابی کا راستہ بتلانا ہے، جو مسلمانوں کے لئے تعلق مع اللہ میں منحصر ہے اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی پوری پابندی کی جائے۔ تا بہ امکان کوئی بات خلاف شرع نہ ہونے پائے۔ یہی عبدیت کی روح اور مسلم کی زندگی کا اصل اصول ہے"

اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل نظام العمل مرتب فرمایا:-

(۱) تعلیم المسلمین و تفہیم المسلمین کی تمام دفعات کی نہایت خلوص و استقلال کے ساتھ ہمیشہ پابندی کرتے رہیں اور ہر امر میں اصلی مطمع نظر رضائے حق ہو اور اس استقلال و ہمت کے ساتھ ہی دعا و ابتہال

سلہ ۵۲ یہ دو رسالے ہیں جنمیں وعظ اور واعظ کے دستور العمل مرتب کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

کو اصل وظیفہ و تدبیر سمجھیں"۔

(۲) جہاں تک ہو سکے قرآن شریف کا ترجمہ سننے کا بھی اہتمام کریں۔

(۳) مسلمان کا فرض ہے کہ ہر موقع پر جذبات کو شریعت کے تابع رکھے۔

(۴) اخلاق اسلامی کو اپنا شعار بنائے، وضع و معاشرت کو بالکل شریعت مقدسہ کے موافق رکھے نہ انگریزوں کی تقلید کرے نہ ہندوؤں کی نہ کسی اور کی۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کا مسنون طریقہ تھا کہ ہاتھ میں لاٹھی رکھتے تھے اس واسطے سب مسلمانوں کو اس سنت پر کاربند رہنا چاہیئے۔

(۶) خدمت خلق کا خیال رکھیں، محنت و جفاکشی کی عادت کے لیے ورزش بھی کیا کریں، نیز لکڑی وغیرہ چلانا بھی سیکھیں اور سادہ و سپاہیانہ زندگی بسر کریں۔ یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ کسی سے لڑیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آرام طلبی میں نہ پڑیں۔ مخدوم نہ بنیں خادم بننے کی کوشش کریں۔ اگر کسی انسان بالخصوص مسلمان کی مدد کرنے کی ضرورت ہو تو مظلوم کی امداد کو لازم جانیں۔

(۷) ہر مسلمان روزمرہ نماز عشاء کے بعد سونے سے پیشتر اپنے گناہوں کو سوچ کر یاد کرے اور پھر اُن نعمتوں کو یاد کرے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ہیں اور اِن دونوں کو یاد کر کے اپنے کو ملامت کرے کہ جس مالک کی اس قدر نعمتیں ہیں اس کی ایک دن میں مجھ کو

Marfat.com

اس قدر نافرمانیاں ہوئیں ۔ اس کے بعد دل سے اِن سب گناہوں سے توبہ داستغفار کرکے سوئے روزانہ بلاناغہ یہ عمل کرے "۔

اس کے بعد بعض خاص دعائیں درج کرکے ہر نماز کے بعد اِن کو پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

خود آپ نے اپنی حیات میں انھیں اصول کے ماتحت مبلغین مقرر فرمائے تھے جن کی وجہ سے سہارنپور اور اس اطراف میں خصوصاً اور کل ملک میں عموماً بڑا فائدہ پہونچا، آریوں کی ریشہ دوانیاں ختم ہوئیں۔ اور ارتداد کا سیلاب ختم ہوگیا مولوی عبدالمجید صاحب بچھرایونی خاص طور پر اس میدان کے شہسوار اور غازی رہے!

"تبلیغی جماعت" سے قلبی تعلق اور بشارت

حکیم الامت رحمہ اللہ کو مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تبلیغی جماعت سے دلی لگاؤ تھا اور اس سے بڑی امید رکھتے تھے۔ اسی لئے اپنے بعض خدام کو اس میں شریک ہو کر کام کرنے کی تاکید فرمائی تھی، اپنے ایک فرستادہ کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

حالات سے بہت کچھ امیدیں ہوئیں اور مجھکو اس سے پہلے بھی آپ جیسے مخلصین کا جانا اور پھر مولوی محمد الیاس صاحب کا ساتھ ہوجانا کامیابی کا یقین دلاتا تھا۔ علم غیب تو حق تعالیٰ کو ہے مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ سب وفود سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا۔ بخدمت مولوی محمد الیاس صاحب سلام مسنون!"

Marfat.com

دستورِ ہند میں قضاۃ کے تقرر کی کوشش

حکیم الامتؒ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ ہندوستان میں سابقہ دستور کے مطابق قضاۃ کا تقرر ہو جائے۔ اس کے لیے آپ نے پوری سعی فرمائی، پہلے تو حافظ محمد احمد صاحبؒ (سابق مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند) کے ذریعہ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند تک اس کی ضرورت کی اطلاع پہونچائی اور پھر بعض ممبروں کو اسمبلی اور کونسل میں اس مسئلہ کے پیش کرنے کی ترغیب دلائی اور بعض ذرائع سے یہ بات "سائمن کمیشن" کے سامنے بھی لائی گئی۔ اسی سلسلہ میں آپ کے ایماء پر میرٹھ میں "انجمن نصب القضاء" قائم ہوئی۔ جس نے "القول الماضی" وغیرہ کے سے رسالہ شائع کر کے عوام میں اس کی اہمیت کا شعور پیدا کیا۔ پھر ۱۳۴۷ھ میں بمقام دہلی ایک جلسہ منعقد کروایا جس میں تمام ممبران اسمبلی اور عمائدین شہر کے علاوہ حضرت انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد علی جوہر اور سہارنپور اور دیوبند کے بعض اور ممتاز علماء شریک تھے۔ خانقاہ امدادیہ کی طرف سے مولانا عبد الکریم صاحب نے شرکت کی۔ اس جلسے سے ممبران اسمبلی پر قیام قضاۃ کی اہمیت و ضرورت واضح ہو گئی۔ لیکن یہ ساری کوششیں نتیجہ خیز نہ ہو سکیں۔

آخری دور

۱۳۴۷ھ تک ہندوستان کے اکثر مقامات اور شہروں میں پیغام حق کی منادی کر کے اب وقت آیا کہ آپ ہمیشہ کے لیے خانقاہ امدادیہ ہی میں عزلت نشین ہو جائیں۔ فتق (Hernia) کا عارضہ لاحق ہوا۔ اطباء نے سفر کی قطعاً ممانعت کر دی۔ آپ نے اعلان

Marfat.com

فرما دیا کہ اب کوئی دعوت سفر نہ دے۔ اس طرح "فسبح بحمد ربک واستغفرہ" والا دور شروع ہوا اور اس اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق بھی میسر آئی ـــــ اب آپ کے چلنے پھرنے کی ضرورت بھی کیا رہی تھی۔ اتنے عرصہ میں ہزاروں کی سیرتیں بن چکی تھیں۔ سیکڑوں "سیرت گر" پیدا ہو چکے تھے جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اپنی اپنی جگہ تبلیغ و رشد میں مصروف تھے!

Marfat.com

مربیانہ شان

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند ۔۔۔ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

تربیت روحانی کوئی آسان کام نہیں حقیقی طبیب روحانی بڑی مشکل سے ملتے ہیں عطائی اور دوکاندار مشائخوں کی البتہ کمی نہیں اور ان ہی کی کثرت کا نتیجہ ہے کہ درویشی کی تعلیم کے اجزاء حال و قال عرس چراغاں اور نذر و نیاز سمجھے جانے لگے ہیں پھر اگر اس کیفیت کو دیکھ کر اقبال مرحوم نے کہا ۔ ع

" کہ مجھے تو کچھ نہ ملا بادۂ رسم خانقاہی "

تو کیا ہوا ۔ اس باب میں مرحوم تنہا نہیں خود ہمارے صوفیہ کرام سے بھی ایسی خانقاہوں کے بارے میں اس سے زیادہ سخت الفاظ نکلے ہیں ۔

یارب بسیل حادثہ طوفاں سپید باد ۔۔۔ تبخانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

اور عراقی نے ع " چو بہ صومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی " میں ایسی ہی خانقاہوں کو صومعہ سے تعبیر کیا ہے لیکن جیسا کہ پہلے کسی عنوان کے تحت بیان کیا جا چکا ہے کہ ان دوکانداروں کے فروغ اور ان کی وجہ سے خانقاہی تعلیم کے مسخ ہو جانے سے نفس خانقاہیت کا انکار لازم نہیں آتا کیونکہ یہ تو ہر جگہ اور ہمیشہ ہی ہوتا آیا ہے کہ غلط افراد کی وجہ سے اچھے اداروں نے اپنا مقصود اصلی کھو بیٹھے ہیں مگر ان کی اصلاح اسی طرح ہوتی رہی ہے کہ پھر

صلاحیت رکھنے والے افراد نے ان کی زمام اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے حکیم الامتؒ نے بھی پھر ایک بار "خانقاہ" کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کیا اور "سیرت سازی" کا وہ صحیح طرز اختیار فرمایا کہ جوگیانہ صوفیت اور راہبانہ تربیت روحانی کے پردے تار تار ہو گئے اسلامی روحانیت کا مفہوم کھل گیا اور اس کے پیکر نظر آنے لگے۔

ظاہر و باطن دونوں پر شریعت حاکم ہے

آپ نے اس حقیقت کو پورے زور سے ظاہر فرمایا کہ شریعت ہی ساری دنیوی و اخروی ظاہری و باطنی سعادتوں اور کامرانیوں کی کفیل ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا — توان رفت جز در پئے مصطفےٰ

آپ نے اسی حقیقت کو مختلف دلائل اور طرح طرح کی مثالوں سے واضح فرمایا چنانچہ محض ظاہر پر اکتفا کرنے والوں اور نرے باطن کے دعویداروں کی اصلیت ایک وعظ میں یوں ظاہر فرمائی ہے:-

ایک جماعت نے روح کی طرف التفات نہیں کیا اور ایک نے صورت کی طرف لیکن پھر بھی ان دونوں میں تفاوت عظیم ہے جنہوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا انھوں نے روح کا انکار نہیں کیا اور جنہوں نے صرف روح کو لیا انھوں نے صورت کا انکار کیا نیز جنہوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا وہ روح کو بالکل چھوڑے ہوئے نہیں ہیں یہ ایک باریک بات سمجھنے کے قابل ہے یعنی روح کے درجات طبقات ہیں جیسے انسان زندہ ہوتا ہے روح حیوانی سے اور اس کے مراتب مختلف ہیں مثلاً ایک پہلوان کی روح اور ایک مدقوق کی روح میں فرق ہے مدقوق بھی روح سے خالی نہیں گو روح ضعیف ہے بس اسی طرح اعمال کی روح کو سمجھو منکرین ظاہر کہتے ہیں کہ صورت کو

Marfat.com

لیکر بیٹھے ہیں؟ یہ معترض نادان نہیں جانتے کہ صورت محضہ نہیں ہے اس میں بھی روح ہے گو ادنیٰ درجہ کی ہی پس جسوقت نماز کی نیت باندھی وہی نیت نماز کی روح ہے چنانچہ اگر نیت نہ ہو تو روزہ صحیح نہ ہو خواہ دن بھر نہ کچھ کھائے نہ پیئے روزہ کی شرط نیت ہے اور نیت فعل القلب ہے جب نیت کی بس روح متحقق ہو گئی۔ معترض نے ہماری نماز و زکوٰۃ کو "پوست بے مغز" سے تشبیہ دی لیکن وہ غلط ہے اس کی تشبیہ ہے "پوست با مغز کم روغن"۔ مغز کم روغن ہے، سو کھا رد کھا ہے مگر ہے ضرور! ایسا ہے کہ فلانا روغن اچھے مغز سے ایک سیر بن نکلتا ہے یہاں چار سیر میں نکلے گا پس ان کے یہاں وہ روح بلا صورت ہے اور ہمارے ہاں "صورت مع الروح الضعیفہ"۔

اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن کو دعویٰ نری روح کا ہے ان کے یہاں روح ہی نہیں، وہ لوگ بلا نماز کے جسکو روح سمجھتے ہیں وہ روح روح نماز ہی نہیں۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ تحقیق اس کی یہ ہے کہ بعض ارواح کے تحقق کے بعض شرائط ہوتے ہیں۔ قاعدۂ عقلیہ ہے کہ بلا شرط کے مشروط نہیں پایا جاتا۔ نماز کی جو روح ہے یعنی توجہ الی اللہ بہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ بدون نماز کی صورت کے نماز کی اس روح کا تحقق ہی نہیں ہوتا یعنی جب نماز میں توجہ الی اللہ فرض کیگئی تو اس سے ثابت ہوا کہ مطلق توجہ الی اللہ نماز کی روح نہیں مثلاً روح انسانی کے فیضان کے لئے بدن انسانی کا شرط ہونا معلوم ہے تو اگر کوئی گائے سامنے آجائے اور کہا جائے کہ اس کے اندر روح انسانی ہے تو اس کی کبھی کوئی

تصدیق نہ کرے گا کیونکہ عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ روح انسانی کا جب تحقیق ہوگا اسی قالب انسانی میں ہوگا پس معلوم ہوا کہ نماز کی روح نماز سے مجرد ہو کر کبھی پائی نہیں جاتی جب قالب نہیں تو روح جس کا دعویٰ ہے وہ نماز کی روح ہی نہیں کسی اور چیز کی روح ہوگی چاہے روح نماز کے مشابہ ہے۔

اب ایک اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس طرح وہ نماز کی روح نہیں اسی طرح کسی دوسری چیز کی بھی روح نہیں۔ پس کسی قسم کی روح نہیں۔ اس کی تقریر یہ ہے کہ نماز کی روح "اللہ کی یاد" ذکر اللہ یا خلوص مثلاً عبادت کی روح محبت یا عشق کے سبب جب پایا جائے گا کسی نہ کسی شخص کے ساتھ پایا جائے گا کیونکہ مطلق من حیث ہو مطلق نہیں پایا جا سکتا کلی مرتبہ کلی میں کبھی نہیں پائی جا سکتی۔ جس طرح کہ انسان جب کبھی پایا جائے گا کسی نہ کسی شخص کے ضمن میں پایا جائے گا اب ہم دیکھتے ہیں کہ روح یعنی "توجہ الی اللہ" کے جو افراد مطلوب ہیں وہ اس شخص کے ساتھ تو مطلوب نہیں جو بلا واسطہ کسی عمل ظاہری کے ہو کیونکہ اس میں کوئی مشقت و کلفت و مجاہدہ ہی نہیں بلکہ مطلوب خاص وہ افراد ہیں جو ضمن میں کسی عمل ظاہری کے ہوں پس وہ توجہ الی اللہ ہی نہ پائی گئی پس ہم کہتے ہیں کہ کوئی روح ہی پائی نہیں گئی نہ نماز کی نہ غیر نماز کی اور اگر کوئی عمل ظاہری کیا ہے تو صورت کی حاجت ہوئی تو اے مدعی! وہی صورت کیوں نہیں قبول کرتا جو محبوب نے تجویز کی ہم تو تیری نفی صورت کو جب جانتے جب تو تیری روح کو لا کر کھڑی کر دیتا۔ جب

صورت سے چارہ نہیں تو صورت مجوزۂ محبوب سے اچھی کون سی صورت ہوگی " (وعظ "روح الارواح")

اسی وعظ میں یوں بھی فرمایا :- " دراصل بڑا وہ ہے جو متبع شریعت ہے، کیونکہ ولایت شعبہ ہے نبوت کا، جتنا کوئی نبی کے مشابہ ہوگا اتنا ہی وہ بڑا ہوگا "

شیخ رہبر ہے نہ کہ جنت کا ٹھیکہ دار

کسی شیخ سے تعلق ارادت اور اس کے ہاتھ پر بیعت مقصود بنگئی تھی لوگ مرید ہوکر پھر مطمئن ہو رہتے تھے کہ بس شیخ جنت میں لیجائے گا اصلاح عمل اور ذاتی جدوجہد کی فکر نہ ہوتی تھی حکیم الامت نے اس غلط فہمی کو پوری طرح رفع کیا۔ اور عملاً دکھا دیا کہ شیخ جنت کا ٹھیکہ دار نہیں کہ بس اسکے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے ہی جنت میں نشست محفوظ ہو جائے بلکہ وہ رہبری کا ایک ذریعہ ہے چلنا اور راستہ طے کرکے منزل مقصود تک پہنچنے کی سعی کرنا یہ خود مرید کا کام ہے چنانچہ فرمایا:-

" بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر بخشش کے ذمہ دار ہو جاتیں گے حالانکہ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ تک کو فرمایا کہ فاطمہؓ اپنے کو دوزخ سے بچاؤ تو تو بھلا کون پیر کسی مرید کو بچا سکتا ہے جب تک خود مرید ہی اس کی کوشش نہ کرے بعضے چاہتے ہیں کہ پیر صاحب ایک نظر میں کامل کردیں اگر اس طرح کام بن جاتے تو صحابہؓ کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا کہیں بطور خرق عادت ایسا ہو بھی ہوگیا تو خوارق میں دوام ولزوم نہیں، اس بھروسہ پہ رہنا بڑی غلطی ہے " ۔

یہی وجہ تھی کہ جب تک آپ کسی شخص کے اندر راہ حق پر چلنے کا جذبہ نہ پاتے تھے اور کچھ

Marfat.com

امتحان لیکر آزمانہ لیتے تھے، اس کو بیعت نہ فرماتے تھے بلکہ اگر اس میں مزید بات دین کا صحیح شعور اور دینداری کا حقیقی تصور اور نسبت بیعت طریقہ کا پورا احترام نہ پاتے تو برسوں تک بیعت سے انکار فرماتے رہتے تھے۔

بیعت کے اصول

آپ کے ہاں بیعت کا سودا ایسا ارزاں نہ تھا پہلے مندرجہ ذیل شرائط پر بلا بیعت تربیت کی ذمہ داری لیجاتی تھی

"(۱) قرآن مجید جتنا پڑھا ہے یا جتنا یاد ہے کسی صحیح پڑھنے والے سے صحیح کرنا ہوگا

(۲) بہشتی زیور کے سب حصے یا سات حصے اور بہشتی گوہر اور اصلاح الرسوم اور قصد السبیل پڑھکر یا سنکر اس کی پابندی کرنا ہوگی۔

(۳) میرے چھپے ہوئے وعظ ہمیشہ پڑھنا یا سننا پڑیں گے۔

(۴) ابتدائی تعلیم میرے کسی اجازت یافتہ سے (جس کو میں تحریر کردوں یا طالب کی تجویز پر اجازت دوں) حاصل کرنا ہوگی اور جب تک پچیس بار ان سے خط و کتابت نہ ہو چکے براہ راست مجھے تعلیم کی استدعا نہ کی جائے"

ان شرائط پر جو پورا اترتا اور جب پورا اترتا تو پھر اس کو بیعت فرمالیتے تھے۔

آپ کے حلقہ ارادت میں وہ لوگ نہ آسکتے تھے جن سے آپ کے قلب میں کسی قسم کا حجاب ہو خواہ اس کی وجہ اختلاف طبائع ہو یا اختلاف مسالک یا دنیوی وجاہت وغیرہ۔ ورنہ غیر متشدد اور غیر متعصب غیر مقلد کو بھی داخل سلسلہ فرمالیتے تھے۔

مستورات کو بیعت کرنے میں زیادہ تنگی نہ فرماتے تھے لیکن شرط یہ تھی کہ وہ اپنے شوہر یا شوہر نہ ہونے کی صورت میں کسی محرم سرپرست کی صریح اجازت حاصل کرکے پیش کریں اس کے بعد پردے کے پورے اہتمام کے ساتھ بیعت فرمالیتے تھے۔

احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بیعت کے وقت عورت کے کسی محرم کو ضرور پاس رکھتے یا پھر اپنی اہلیہ یا کسی محرم بی بی کو اپنے پاس رکھتے اور جب نیکیوں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کا عہد لیتے تو تاکید فرماتے:۔

"میں جو کچھ کہتا جاؤں تم بھی چپکے چپکے کہتی جاؤ لپکار کر نہ کہو"

حالت سفر میں بجز عورتوں یا ایسے افراد کے جن سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو، کسی کو بیعت نہ فرماتے تھے اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ لوگ دوکانداری اور سفری پیروں سے احتیاط کرنا سیکھیں۔

ایسے حضرات جو کسی صحیح سلسلہ سے متعلق ہوں اور اپنے شیخ کی وفات پر آپ سے مکرر بیعت کے طلبگار ہوں ان سے یہ فرماتے: "پچھلی بیعت مع اپنی ساری برکات کے بدستور قائم ہے، تجدید بیعت کی حاجت نہیں البتہ تعلیم طریق کے لئے حاضر ہوں" البتہ زیادہ اصرار پاتے اور طالب کی تسلی و تشفی اسی میں پاتے تو کبھی کبھی بیعت بھی فرما لیتے تھے ہاں جس کا سلسلہ صحیح نہ ہوتا اور کسی فاسق کا مرید ہوتا تو اس کو بیعت فرما لیتے لیکن پچھلے شیخ کی شان میں گستاخی سے پھر بھی منع فرماتے کہ یہ راہ سراسر ادب ہی ادب کی ہے۔ ع

بے ادب محروم ماند از لطف رب

شیخ مرید کا تابع نہیں ہوتا

تعلیم و تربیت میں آپ کبھی مرید کے تابع نہ ہوتے تھے بلکہ ہمیشہ اس کو اپنا تابع رکھتے تھے ہاں اس کے جذبات صحیحہ کی ہر طرح رعایت فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

"مجھے طویل خط سے تو الجھن نہیں ہوتی البتہ لاطائل سے ہوتی ہے اور جو

Marfat.com

اکثر جوابات مرضی کے موافق تو ہوتے نہیں لیکن الحمدللہ مرض کے بالکل موافق ہوتے ہیں۔"

آپ کو چونکہ فاروقیت سے حصہ وافر ملا تھا اس لئے طالب کی ادنیٰ بدتمیزی پر اس کے جیفہ سے خفیف کبیدہ پہ سخت گرفت فرماتے تھے اور ایسی جرح کرتے تھے کہ خود وہ اپنے آپ اپنی کوتاہیوں کا معترف ہو کہ آئندہ کے لئے اپنے مکائد نفس سے باخبر ہو جاتا تھا اسی طرح جو مریدین محض فقہی سوالات پوچھتے تھے ان کو یہ مشورہ دیا جاتا تھا کہ "یہ مسائل کہیں اور پوچھیں"۔

اس میں مصلحت یہ تھی کہ اس سے مرید کی توجہ اپنے نقائص سے ہٹ کر صرف مسئلہ مسائل میں صرف ہوتی ہے جس سے مقصد بیعت فوت ہوتا ہے۔

اجازت شیخ کا درجہ یہ غلط فہمی بھی عام ہے کہ کوئی بزرگ کسی کو جب اپنا خلیفہ بناتا ہے اور اس کو اجازت بیعت دیتا ہے تو اس سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ مجاز شیخ کا ہر طرح قائم مقام اور کامل ہے اس خیال کی تردید مولانا تھانویؒ نے فرمائی جس سے ایک طرف عوام کی غلط فہمی دور ہو گئی دوسری طرف خود مجاہدین کو اپنے "کچھ ہونے" کے خیال سے نکال کر اور زیادہ جدوجہد کی طرف راغب کر دیا۔ فرمایا:۔

"اجازت دلیل کمال نیست، بلکہ دلیل مناسبت است۔ چنانچہ دستار فضیلت بعد فراغ کتب می بندند اگرچہ عالم کامل نباشد۔ صرف مناسبت مدار ایں رسم باشد، کمال بفراغ دور است"۔

اسی طرح ہر مجاز یا ہر شیخ ولی نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

"بعضے خاص لوگوں کو بھی شیخ اور ولی کا فرق معلوم نہیں ولی کہتے ہیں مقبول کو اگرچہ لٹھ اور جاہل ہو۔ اور شیخ کہتے ہیں فن دان کو اگرچہ وہ فاسق وفاجر ہو، ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ اگر شیخ متقی ہوگا تو اس کی تعلیم میں برکت ہوگی اگر متقی نہ ہوگا برکت نہ ہوگی لیکن چونکہ اکثر لوگوں کو اس کے معنی معلوم نہیں اس لئے شیخ کا ولی ہونا لوازم سے سمجھتے ہیں سو یہ غلطی ہے" (الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص۲۲۵)

اس مربی کامل نے طالب کیلئے چار باتیں ضروری ولازمی بتائی ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

طالب کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں

طالب کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے دو بیعت سے پہلے اور دو بیعت کے بعد ہمیشہ تک پہلی دو چیزیں ہیں اعتقاد و اعتماد اگر شیخ پر اعتقاد نہ ہوگا تو فائدہ نہیں ہوگا اعتقاد یہ ہونا چاہیئے کہ اس کی تعلیم و تربیت میرے لئے سب سے انفع ہے دوسرے اعتماد ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اعتماد نہ ہوگا تو اس کی تعلیم و مشورہ میں خلجان رہے گا اب دوسری دو جنکی ضرورت بیعت کے بعد ہے وہ ہیں اطلاع اور اتباع کیونکہ بدوں اطلاع کے شیخ طالب کے لئے کوئی تجویز یا ترمیم کیسے کرے گا اس لئے کہ ہر شیخ کا صاحب کشف ہونا اور صاحب کشف کیلئے ہر وقت کشف کا ہونا ضروری نہیں کہ بغیر اطلاع کے اس کو خبر ہو جایا کرے پھر اطلاع کے بعد اتباع ہے کہ جو کچھ شیخ نے بتایا ہے بس اس میں کمی بیشی نہ کرے اور اپنی رائے سے کچھ نہ کرے اور اگر امر شیخ کے اتباع میں دشواری ہو یا مشقت بیجا ضرر دیکھے تو اس کی بھی شیخ کو اطلاع کرے وہ کوئی مناسب تجویز کریگا (منا الات حکمت،

لطفِ سلوک آپ کی مربیانہ شان اس سے عیاں ہے کہ آپ کے بعض دو لفظی یا سہ لفظی جملے ایسے ہیں جو حکمت و معرفت کے دفتر اپنے اندر رکھتے ہیں اور جن کو پیشِ نظر رکھ کر راہ سلوک کی بیشتر گرہیں کھولی جا سکتی ہیں مثلاً فرمایا اور بکثرت فرمایا ہے :۔

" لطفِ سلوک یہ ہے کہ غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہوں اور اختیاری امور میں کوتاہی نہ کریں "

یعنی اگر کوئی امر اختیاری ہے (مثلاً نماز، روزہ، ذکر شغل وغیرہ) تو اس میں ہمت اور عزیمت سے کام لے خواہ اس سے دل بستگی ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ اس میں دل جمعی ہے یا نہ ہے البتہ جو امور بندے کے اختیار سے باہر ہیں اور محض حق تعالیٰ کی دین ہیں (مثلاً یکسوئی۔ سرور یا رقت یا انوار و تجلیات وغیرہ) ان کے پیچھے نہ پڑے۔ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ یہ سب غیر اللہ ہیں اور جب بندہ ان کا طالب ہوتا ہے تو اللہ کا طالب کہاں رہا اسی لئے شیخ الشیوخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا :۔

" طالبِ لذت طالبِ حق نہیں "

طالبِ حق کا شعار تو یہ ہونا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو ‏ جان شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اس طرح اعمال کے ترک و اختیار سے متعلق دو لفظ فرمائے جو لوح ذہن پر نقش ہونے چاہئیں یعنی یہ سوچے کہ

" مقصود ہیں یا غیر مقصود "

Marfat.com

اگر وہ مقصود ہیں تو بہر نوع ان کو اختیار کرے اور اگر غیر مقصود ہیں تو بہر حال ان کو ترک کرے ہاں جو اعمال مقصود میں معاون ہوں ان کا اختیار بھی باعتبار حالت و ضرورت ضروری ہو سکتا ہے اور یہ بمشورہ شیخ ہونا چاہیئے۔!

مجاہدہ کا درجہ، راہب و زاہد کا فرق | بعض لوگ ذکر و شغل اور دیگر مجاہدات کو سب کچھ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی یاد کو دائم کرنے اور اس کو قلب میں رچانے بسانے کے ذرائع ہیں ان کو بالذات مقصود سمجھنا تعلیمات اسلامی کے مغایر ہے، شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"مجاہدہ معالجہ ہے وہ مقصود بالذات نہیں، اس کو مقصود بالذات سمجھنا یہ رہبانیت ہے پس راہب وہ ہے جو ان معالجات کو قربات سمجھے باقی جو معالجہ کو معالجہ سمجھے وہ راہب نہیں زاہد ہے۔" (فیوض الخالق)

کیفیت و احوال کا درجہ | حکیم الامت طبیب حاذق تھے اس لئے طالبین کی توجہ کو ہمیشہ کیفیت و احوال کی طرف سے ہٹاتے رہتے اور اصل مقصد یعنی "رضائے حق" کی طلب میں منہمک رکھتے تھے ارشاد ہوتا ہے:۔

"اسرار و ذوقیات کے نعمت ہونے میں شک نہیں، اگر بدون طلب کے حاصل ہو جائیں تو شکر کرنا چاہیئے مگر چونکہ مقصود و مطلوب نہیں ہیں اس لئے ان کے درپے نہ ہونا چاہیئے، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ ذوق و شوق و انس وغیرہ "حجابات نورانیہ" ہیں اور حجابات نورانیہ "حجابات ظلمانیہ" سے اشد ہیں کیونکہ حجابات ظلمانیہ کی طرف سالک متوجہ نہیں ہوتا ان کو خود دفع کرنا چاہتا ہے۔ اور

اور حجابات نورانیہ کی طرف متوجہ ہو تا اور التفات کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے توجہ "مقصود اصلی" سے ہٹ جاتی ہے۔"

شیخ شیراز (سعدی علیہ الرحمہ) نے بھی اس حقیقت کو خوب واشگاف کیا ہے متنبہ کرتے ہیں :۔

خیالات نادان خلوت نشین بہم بر زند عاقبت کفر و دین

اصل شئے حب شیخ و اتباع سنت ہے

عارف کامل شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اس قول کو حکیم الامت اکثر نقل فرماتے اور اس پر بہت زور دیتے تھے کہ:۔

حب شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوتے اگر لاکھ "ظلمات" بھی ہوں تو وہ سب "انوار" ہیں اور اگر ان میں ایک چیز کی بھی کمی ہوئی تو پھر سارے انوار ظلمات ہی ہیں۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

اس طریق کا اول قدم فنا ہے

صوفیائے کرام کے دو گروہ ہیں ایک کے نزدیک "فنا" ابتدا ہے دوسرے کے نزدیک انتہا ہے حکیم الامت نے اس اختلاف کی حقیقت یوں ظاہر فرمائی:۔

"اس طریق کا اول قدم "فنا" ہے جس میں یہ صفت نہ پیدا ہوئی بس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہوا بھی نہ لگی اور یہ جو بزرگوں کا قول ہے کہ طریق کا آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اور اس سے مراد وہ کمال فنا ہے کیونکہ فنا کے بھی تو آخر درجات ہیں۔"

شیخ کی نظر ملکات پر ہونی چاہیئے نہ کہ افعال پر

حکیم الامت کی شان تربیت کا باب اس قدر وسیع ہے کہ ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

اس لئے آخر میں اب ایک ارشاد درج کر کے اس عنوان کو ختم کیا جاتا ہے کوئی ماہر نفسیات یا شیخ کامل ہی اس کو سمجھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ امراض روحانی کے کس قدر ماہر فن داں اور حاذق طبیب تھے فرماتے ہیں:—

"میری نظر" ملکات " پر ہوتی ہے۔" افعال " پر نہیں ہوتی کیونکہ افعال تو "ارادہ" بدلنے پر ایک منٹ میں درست ہو سکتے ہیں لیکن ملکات کی اصلاح ہونا برسوں میں بھی مشکل ہے "

اور یہ تو آپ کے ماہر نفسیات اور شیخ کامل ہونے کی چند مثالیں ہیں ورنہ "تربیت السالک" اٹھا کر نفسیاتی نقطۂ نظر سے کوئی دیکھ لے تو اس کو اس کا زائد از ہزار صفحات کتاب کا ہر صفحہ فنی نکات سے پُر دکھائی دے گا اور جو کوئی "دیدہ ور" ہو تو اس کو ہر جملے سے درس معرفت ملے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ مولانا تھانویؒ قدس سرہٗ جیسی مقدس ہستی کو ماہر نفسیات و فلسفہ کہتے ہوئے بھی شرم سی آتی ہے کیونکہ یہ تو ان گنی چنی ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے اقوال و ملفوظات سے علم فلسفہ و نفسیات کے اصول مرتب ہو سکتے ہیں۔

تربیت یافتگانِ اشرفیہ

کسی درسگاہ کی تعلیم و تربیت کا صحیح اندازہ وہاں کے فارغ شدہ طلبہ کی علمی استعداد اور عملی صلاحیت ہی سے ہو سکتا ہے صد فی صد تو نہیں مگر جس ادارہ کی اکثریت اچھی ہوگی وہ ادارہ لائق اعتماد سمجھا جائے گا ورنہ اس کی ساکھ جاتی رہے گی۔ "تربیت گاہ اشرفیہ" کی وقعت و عظمت کے ثبوت میں اس نوع کی دلیل بھی بے کھٹکے پیش کی جا سکتی ہے۔

اشرفی درسگاہ میں صدیوں کے بھلائے ہوئے سبق اصلاح معاملات و معاشرت پر اس قدر زور دیا جاتا تھا کہ بغیر اس کے ذکر و شغل کی اجازت ہی نہ ملتی تھی اور جب ملجاتی تھی تب بھی اس کے بعد اس پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ درخشاں پہلو جو اثبات نبوت کے لیے ایک کھلی دلیل ہے جس کے ہوتے ہوئے کافروں نے چاہے جتنی افترا پردازیاں کی ہوں لیکن "امانت" و "دیانت" اور "صفائی معاملات" کا آخر وقت تک بھی انکار ممکن نہ ہوا بلکہ قولی انکار تو کیا ہوتا "عملی انکار" بھی نہ ہو سکا۔ اس کو "تصوف" سے صوفیائے سوء نے اس طرح الگ کر دیا گویا اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ حالانکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ "درسگاہ محمدیہ" کے فارغین کرام نہ ہوا پر اڑے ہیں، نہ پانی پر چلے ہیں، نہ انھوں نے بلا مشقت کسی دست غیب کے ذریعہ اپنا پیٹ پالا ہے نہ انھوں نے "تصرفات" سے کسی کو زیر کیا ہے۔ اور نہ

"تیغ و تفنگ" کے ذریعہ اپنی ساکھ جمائی ہے۔ مگر ہاں انکا جو وصفِ امتیازی ہو وہ یہی کہ وہ بات کے پکّے تھے۔ وعدے کے سچّے تھے حق کہ معاملہ میں نہ تحریص اُنکے قدم ڈگمگا سکتی تھی نہ تخویف سے وہ لرزہ براندام ہوتے تھے اپنوں اور پرایوں پر شفقت ان کا خاص شعار تھا ان کا پڑوسی، ان کی رعایا ان کے خدام اور ان کے ماتحت ان سے ایسے خوش تھے کہ اس سرپرستی کو بدل و جاں اپنے لئے باعثِ حرمت سمجھتے تھے وہ انفرادی حیثیت میں اور اجتماعی موقف میں، گھر کی چہاردیواری اور ملک کی وسعتوں میں ہر اعتبار سے لائق اعتماد اور قابل تقلید تھے۔ اور یہی ان کی دینوی کامرانی اور اخروی نجات کا سہارا تھا۔

حکیم الامت کا یہ کارنامہ بھی آپ کی "تجدیدی شان" کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے اس اہم پہلو کو جس کے بغیر انفرادی و اجتماعی صلاح و فلاح کا تصور ناممکن ہے، پوری طرح اجاگر کیا اور اس کو تربیت باطنی کا جزو لاینفک قرار دیا یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کے تربیت یافتوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں اس کا اہتمام اس درجہ نمایاں ہے کہ اب "مدعیانِ تہذیب و اخلاق" کو بھی انگشت نمائی کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ بلکہ اس دور میں جب کہ اور مقامات پر سیرت سازی کے اس پہلو سے تغافل ہے مسلک اشرفیہ کے پیرو کی کسوٹی ہی یہ بن گئی ہے کہ اسکو "معاملات" کی بھٹی میں ڈال کر آزمایا جائے جو پورا پورا نکھر آئے وہ "اشرفی" ہے اور جو اس میں جل جائے وہ کھوٹ! چاہے وہ پھر اپنی تائید میں کتنے ہی اسناد پیش کرے۔

اختصار کے مدِنظر ذیل میں چند واقعات صرف ایسے افراد کے درج ہیں جو نہ صرف یہ کہ مولوی ہی نہیں تھے بلکہ عام کتابی علم سے بھی نا آشنا ہونے کے باوجود ایسے محتاط تھے کہ اور جگہ کے صاحبِ علم حضرات بھی کم ہی اس درجہ پابند ہونگے۔

Marfat.com

(۱) الہ آباد کے ایک نائی تھے حضرت سے مرید ہوئے تو اپنا پیشہ محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ اس میں اکثر مسلمانوں کی ڈاڑھیاں مونڈنی پڑتی تھیں انھوں نے پکوان سیکھا اور اس کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور اپنی دیانت داری اور دینداری کی وجہ سے اس درجہ مقبول ہوئے کہ آمدنی بھی پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی اور ہر وقت عمدہ عمدہ غذائیں نصیب ہیں آئیں۔

(۲) فیجتور کے ایک معمار آپ کے مرید ہوئے تو اس کی بڑی احتیاط ہو گئی کہ امانی میں بھی ویسی ہی نیز دہنی سے کام کرنا چاہیئے جیسا کہ ٹھیکہ میں کیا جاتا ہے اپنی اس صفت کی وجہ سے وہ وہاں کے صاحب علم حضرات کے لئے بھی باعث رشک ہو گئے اور سب کی نظروں میں لائق عزت ٹھیرے۔

(۳) حکیم الامت کے ایک خادم کا قیام مدرسہ دیوبند میں ایک صاحب کے ہاں ہوا جب رات ہوئی اور لالٹین آئی تو خادم نے پوچھا کہ آیا یہ مدرسہ کا تو نہیں ہے؟ بس اس سوال پر ایک معمر بزرگ نے ان سے پوچھا، کیا تم کو مولانا تھانوی سے تعلق ہے؟

(۴) اسی طرح ایک طالب علم کسی مسجد میں مسجد ہی کے چراغ سے مطالعہ کر رہے تھے۔ جب چراغ گل کرنے کا وقت آیا تو فوراً اس کو گل کر کے اپنا چراغ جلایا ایک اجنبی عالم نے اس حرکت کو دیکھ کر وہاں کے لوگوں سے کہا: "معلوم ہوتا ہے اسکو مولانا تھانوی سے تعلق ہے"، چنانچہ تحقیق پر یہ بات سچ نکلی۔

(۵) ایک واقعہ اس تربیت گاہ کے قدیم تربیت یافتہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کا بھی سنیئے۔ ایک دفعہ سفر پر جا رہے تھے اسٹیشن پہنچکر اسٹیشن ماسٹر سے خواہش کی کہ سامان تلوا کر اس کا محصول بنالے۔ اسٹیشن ماسٹر نے تساہل کی بنا پر انکار کیا۔

Marfat.com

خواجہ صاحب مصر ہوئے تو اس نے اس گمان سے کہ ملا آدمی ہیں کچھ تحکمانہ انداز سے بلا تلوائے چلے جانے پر زور دیا۔ خواجہ صاحب کو غصہ آگیا اور انگریزی زبان میں اس کو خوب لتاڑا کہ کمپنی نے تم کو معافی کا حق کب دیا تھا؟ اور فرمایا کہ ابھی بد دیانتی کی رپورٹ کئے دیتا ہوں! اسپر وہ بڑا پریشان ہوا لجاجت سے معافی چاہی اور فوراً سامان تلوا کر حسب ضابطہ محصول وصول کیا۔ اس نے اصول کا ایسا پابند شاید پہلا ہی انسان دیکھا ہوگا!

مریدوں میں یہ اہتمام نہ صرف حضرت شیخ کی نگرانی و ترتیب کا نتیجہ تھا بلکہ خود آپ کے انفرادی عملِ مستحکم کا باعث بھی تھا جس کے کئی واقعات گذر چکے، اور جو لکھے جا چکے ہیں وہ کل کا ایک ادنیٰ جزو بھی نہیں۔ یہاں موقع کی مناسبت سے ایک اور واقعہ درج ہے جس میں ہر مسلمان کے لئے عبرت ہی عبرت ہے،

ایک عبرت آموز واقعہ ایک مرتبہ آپ سہارنپور سے تشریف لے جا رہے تھے، کچھ گنے ساتھ تھے آپ نے تحت ضابطہ ان کو تلوانا چاہا تو اسٹیشن کے غیر مسلم ملازمین نے ازراہِ عقیدت عرض کی۔ "آپ یونہی لیجائیے تلوانے کی ضرورت نہیں ہم گارڈ سے کہدینگے"۔ آپ نے فرمایا یہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ انھوں نے عرض کیا "غازی آباد تک" ارشاد ہوا! غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ عرض کی "یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہدیگا" آپ نے پھر سوال کیا "پھر آگے کیا ہوگا"، جواب ملا "وہ کانپور تک پہنچا دے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہوگا"۔ اسپر مجدد ملت نے فرمایا "نہیں وہاں سفر ختم نہیں ہوگا بلکہ آگے ایک اور سفر آخرت کا بھی ہے وہاں کا کیا

انتظام ہوگا؟"

بس یہ سُن کر سب دنگ رہ گئے کہ ایسے بھی محتاط بندے ہوتے ہیں۔ جو خدائے تعالیٰ سے اس قدر ڈرتے ہیں اور اپنے ہر عمل میں مسئولیت کے تصور کو اس درجہ مستحضر رکھتے ہیں!!

حکیم الامت کے اس عمل و تلقین اور مریدوں میں اس کے اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص تھانہ بھون اسٹیشن پر اترتا تھا تو اس سے ریلوے والے پوچھتے تک نہ تھے کہ سامان تلوایا بھی یا نہیں؟ اور اس کا محصول ادا کیا بھی یا نہیں؟ سب یہی جانتے تھے کہ یہ تھانہ بھون والے مولانا صاحب کے پاس جاتے ہیں اور وہاں جانے والے بلا اسباب تلوائے سفر نہیں کرتے غیر اقوام پر مسلمانوں کی ساکھ اسی طرح قائم ہوتی ہے۔ اور اسی "صفائی معاملات" کے ذریعہ قائم رہ سکتی ہے مگر شب و روز نے ہزاروں کروٹیں بدلی ہوں گی کہ نادانوں اور نفس پرستوں نے اس اہم باب کو "کتاب تصوف" سے یکسر محو کر دیا تھا۔ حکیم الامت نے پھر اس کو داخل نصاب کیا۔ اور اپنے شاگردوں پر اس پرچہ کو لازمی قرار دیا!!!

حق تعالیٰ توفیق بخشے کہ آپ کے معتقدین اس امتیاز کو بہر قیمت باقی رکھیں۔

Marfat.com

کرامات

کرامات کرامات گویا بزرگی کا لازمہ بن گئی ہیں حالانکہ اگر یہ حقیقی ہوں بھی تو کسی کی اختیاری نہیں اور جب غیر اختیاری اور محض عطائی ہیں تو اس پر کسی کی بزرگی کا مدار کیوں ہو؟ بندہ اختیاری امور کا پابند ہے اور الٰہی امور کی پابندی اور تکمیل اس کے لئے وجہ بزرگی ہیں۔

پھر اصطلاحی کرامات سے زیادہ ایک اور اہم شے ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول محکم سے ثابت ہے، وہ ہے "فراست مومن" اتقوا فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے!) یہ صفت غیر مومن سے میل نہیں کھاتی کیونکہ اس کی اصل ہے "نور الٰہی" جو اتباع سنت سے بڑھتا اور پیروی نفس سے مٹتا ہے کفر کے ساتھ اس کا اقتران ناممکن ہے

فان العلم نور من الٰہ ونور اللہ لا یعطی لعاصی (امام شافعی)

(علم حق تعالیٰ کا ایک نور ہے اور حق تعالیٰ کا نور کسی گنہگار کو عطا نہیں ہوتا)

لیکن اس "نور ربانی" کی جو انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اتم اور اولیائے کرام کو حسب مراتب حاصل ہوتا ہے، لوگوں کے ذہن سے اہمیت نکل گئی اور کشف و کرامات کے پیچھے پڑ گئے جس کی پہچان بھی مشکل ہے اور جو باعتبار ظہور اہل کفر سے

Marfat.com

تک ممکن ہے۔ساتھ ہی یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر آج کل کی اصطلاحی کرامات ہی بزرگی کا معیار ہیں تو جتنی کرامات آج کسی ادنیٰ ولی کی جانب اس کے معتقدین منسوب کرتے ہیں کیا اس کا عشر عشیر بھی صحابہ کرام کی سیرتوں میں ملتا ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر اس معیار کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ چنانچہ **امام ربانی** مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ظہور خوارق نہ از ارکان ولایت است ونہ از شرائط آن، وکثرت ظہور خوارق بر افضلیت دلالت ندارد۔ تفاضل آنجا باعتبار درجات قرب الٰہی است جل سلطانہٗ۔ تواند بود کہ از ولی اقرب ظہور خوارق اقل باشد۔ از الید اکثر خوارقے کہ از بعضے اولیاء امت بظہور رسیدہ اند از اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عشر عشیر آن بظہور نیامدہ بآنکہ افضل اولیائے است بمرتبہ ادنیٰ صحابی نمی رسد۔ وہم چنیں از اولیائے متقدمین ایں قدر خوارق نقل کردہ اند کہ از متاخرین۔ مثلاً جنیدؒ کہ سید ایں طائفہ است معلوم نیست کہ از وے دہ خوارق نقل کردہ باشند۔"

(مکتوبات)

پس معلوم ہوا کہ اصل کرامت وبزرگی اتباع سنت کی تکمیل اور اس پر استقامت ہے کیونکہ ولایت شعبہ ہے نبوت کا اور جو جتنا نبی کے مشابہ ہوگا اتنا ہی بڑا ہوگا خواہ اس سے ایک خرق عادت بھی سرزد نہ ہو۔ صوفیائے ربانی کا قول مشہور ہے۔ "الاستقامت فوق الکرامۃ" شریعت پر

Marfat.com

استقامت ساری کرامات سے افضل چیز ہے) انہی وجوہ سے حکیم الامت نے اپنی سوانح میں اس باب ہی کے حذف کرنے کا حکم دیا اور جو واقعی کرامات تھیں ان کو "انعامات الٰہیہ" کے غیر مبہم الفاظ سے تعبیر فرمایا جس سے یہ بات کھل گئی کہ اس میں بندہ کے کسب کو دخل نہیں! بزرگان دین نے تو اپنے کشف وکرامات کو اس درجہ چھپایا ہے جیسے کوئی حائضہ اپنے حیض کو چھپاتی ہے[۵۱] اور ان سے بچنے کی دعائیں مانگیں ہیں اور اس کی وجہ عارف باللہ حضرت عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ سے سنئے فرماتے ہیں۔

کشف کو لوگ پسند کرتے ہیں حالانکہ اس میں بڑی مضرت ہے خود ولی کے لئے بھی اور اوس کے لئے بھی جو ولی سے اس کا طالب ہو۔ ولی کیلئے تو یہ ضرر ہے کہ اس میں مشاہدۂ حق سے مشاہدۂ خلق کی طرف اترنا پڑتا ہے اور یہ بالا مقام سے پستی کی طرف انحطاط ہے اور طالب کا ضرر یہ ہے کہ کشف وکرامات کا طالب وہی ہوتا ہے جس کی محبت اوپری ہوتی ہے[۵۲]

حکیم الامت کی کرامات | حکیم الامت کو "فراست مومن" سے حصہ وافر ملا تھا جو

---

[۵۱] صوفیا کا قول ہے "کرامات اولیاء اللہ کا حیض ہیں" مطلب یہ نہیں کہ کرامات حیض کی طرح ارذل ہیں بلکہ یہ کہ حیض کی طرح وہ لائق اخفا ہیں اور انکا اظہار اتنا ہی شرمناک ہے جتنا کہ حیض کا اظہار ایک حائضہ دوشیزہ کیلئے! (مولف)

[۵۲] دیکھو "تبشیر" (ترجمہ ابریز) (صـ۲۸) از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

Marfat.com

آپ کی بزرگی پرمشاہد ہے اور جس کا اندازہ لذشتہ ابواب کے حقائق سے بخوبی ہوسکتا ہے آپ کی اصل کرامات تو آپ کے "آثار علمیہ" اور "نقوش عملیہ" ہی ہیں جن سے تجدید دین کا "قصر بالشان" کام ظہور میں آیا، لیکن ساتھ ہی آپ کی بابرکت ذات سے بیسوں نہیں سینکڑوں واقعات بھی ظاہر ہوئے جن کو عام طور پر کرامات کہا جا سکتا ہے اور جس کی بیج اصطلاح "الہامات الہیہ" ہے ان میں سے صرف چند بمصداق مشتے از خروارے درج ذیل ہیں تاکہ جن کی تشفی "معنوی کرامات" سے نہ ہوتی ہو اسی سے مطمئن ہو جائیں۔

وقت میں برکت

آپؒ کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی تھی جس کی بنا پر آپ تنہا وہ خالص علمی و فنی کام کر گئے جو اتنی مدت میں ایک متحدہ جماعت سے بھی مشکل ہی سے انجام پا سکتا ہے اس کی ایک صورت تو یہ ہوئی کہ آپ بہت کم بیمار ہوتے تھے اور اگر ہوتے بھی تو بہت جلد شفایاب ہو جاتے تھے دوسرے یہ کہ جس مضمون یا مسئلہ کی تلاش ہوتی غیب سے اس کے سامان مہیا ہو جاتے تھے مثلاً شرح مثنوی لکھتے وقت کبوتر بازوں کے ایک معمول کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی، ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ ایسے میں ایک کبوتر باز تعویذ لینے آیا اور اس سے وہ بات معلوم ہو گئی ایسے ہی یہ بھی غیب سے انتظام ہوتا کہ جس روز خطوط کی بھرمار ہوتی تو اس روز تعویذ مانگنے والے یا تو آتے ہی نہیں یا بہت کم آتے تھے۔ [ل۵]

ل۵ تعویذ و عملیات سے حضرت کو کوئی لگاؤ نہ تھا لہٰذا اسکو پیشہ بھی نہ فرماتے تھے لیکن محض علم شیخ کے تابع شرعاً جائز اعمال لکھ دیتے تھے چنانچہ اعمال قرآنی کے نام سے یہ سب یکجا اور ہر ایک کیلئے عام کر دیئے گئے ہیں، اسمیں کوئی بات راز کی ہے نہ اجازت کی طالب!

Marfat.com

ایک جن کا دفعیہ برادری کی ایک بی بی پر جن کا اثر ہوا۔ تعویذ کی درخواست آئی چونکہ آپ عامل نہ تھے اور آثار سے جن کا قوی ہونا معلوم ہوگیا تھا اس لئے عذر فرمادیا لیکن جب اصرار زیادہ ہوا تو جن کے نام ایک خط تحریر فرمایا:۔

"اگر تم مسلمان ہو تو میں تم کو قرآن و حدیث کی وہ وعیدیں یاد دلاتا ہوں جو کسی کو ستانے پر وارد ہوئی ہیں اور اگر تم کافر ہو تو اول ہم صلح کی تحریک کرتے ہیں اور اگر تم نہیں مانتے تو یاد رکھو کہ ہم میں بعض ایسے بھی ہیں جو تمہارا پورا پورا استیصال کر سکتے ہیں"

جب یہ خط اس جن کو سنایا گیا تو اس نے کہا۔

"یہ ایسے شخص کا خط نہیں کہ اس کا کہنا نہ مانا جائے، اچھا لو میں جاتا ہوں"

بیمار کا تندرست ہونا ایک شخص کا نام "کلیم اللہ" تھا وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ بیمار رہتا تھا آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کا نام بدل کر "سلیم اللہ" رکھا جس کے بعد وہ بالکل تندرست ہوگیا اس تبدیلی نام کی وجہ خود آپ نے یہ بیان فرمائی کہ "کلم" کے معنی ہیں "جراحت" اس لئے اس کا نام بدل دیا!

غبی کا ذہین ہوجانا ایک صاحب کا لڑکا عمر ۹ (۱۰ برس) بہت غبی تھا، آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے مزاحاً تقریباً اس کا سر اپنے

Marfat.com

سر مبارک سے ٹکرایا بس اس کے بعد اس کا ذہن تیز ہو گیا۔

سوال سے پہلے جواب

یہ تو روزانہ ہی کا معاملہ تھا کہ جو کوئی اپنے ذہن میں اشکال یا غلط خیالات لے کر آتا اس کے اظہار سے قبل ہی وہ اس کا جواب پا کر مطمئن ہو جاتا اور مجلس سے اٹھتے ہوئے اپنے ذہن کو صاف کر چکا تھا۔ مثلاً ایک واقعہ مخدومی واستاذی مولانا عبدالجبار صاحب حیدرآبادی (حال خطیب لال مسجد عقب بولٹن مارکیٹ کراچی) کا سنئے۔

دارالعلوم دیوبند میں پڑھ رہے تھے ابوالکلام صاحب کی تقریر و تحریر سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ بیشتر وقت الہلال کے نوک زبان کرنے اور سیاسی رنگ ڈھنگ اختیار کرنے میں صرف ہونے لگا اسی دوران میں پہلی مرتبہ اور طلبہ کے ساتھ تھانہ بھون حاضری ہوئی، صاحب دل شیخ کی نظر نے شاید اس جوہر کا اندازہ بھی لگایا اور اس پر جو گرد جم رہی تھی اس کو بھی دیکھ لیا۔ مولوی صاحب کو بلا کر اپنے بالکل برابر شانہ بہ شانہ بٹھایا اور طالب علمی کے زمانہ میں سیاسیات سے دلچسپی کی مضرت پر تقریر فرمائی اور تمام تر انہی کے خیالات کی تردید کی اور اس دوران میں مزاحاً ان کے سر کو اپنے سر مبارک سے ٹکرایا بھی۔ صاحب واقعہ کا بیان ہے کہ اس دن سے ان کو نہ صرف سیاسیات سے نفرت ہو گئی بلکہ علم دین سے اس درجہ شغف بڑھا کہ پھر وہ مدرسہ کے اعلیٰ امتحان میں سب طلباء پر فوقیت لے گئے۔

تھانہ بھون میں بیٹھے ہوئے علیگڈھ میں پایا جانا

علیگڈھ میں حکیم الامت کے ایک معتقد نے نمائش میں

دوکان لگائی تھی ایک روز عین فروخت کے وقت ان کے قلب میں وحشت سی شروع ہوئی اور انھوں نے نقصان کا خیال کئے بغیر سامان قبل از وقت سمیٹنا اور صندوق میں بھرنا شروع کیا صندوق بھر چکے تھے کہ نمائش میں آگ لگ گئی ان کو پریشانی ہوئی کہ اکیلے ایسے وزنی صندوق کس طرح اٹھائے جائیں۔ عین اس پریشانی میں دیکھا کہ حکیم الامتؒ آئے ہیں اور فرماتے ہیں "جلدی کرو" چنانچہ ایک طرف سے مالک دوکان اور دوسری طرف سے حضرت شیخ نے پکڑ کر ایک ایک صندوق کر کے سارا سامان بچا لیا جب سامان اٹھ چکا تو حضرت وہاں سے غائب تھے اور درحقیقت اس وقت آپ تھانہ بھون میں تھے۔ جب آپ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو فرمایا۔

"مجھکو اس کی کچھ خبر نہیں البتہ بعض اوقات حق تعالےٰ کسی کی دستگیری اور اعانت اس صورت سے فرماتے ہیں کہ کسی لطیفہ غیبیہ کو کسی مانوس شکل میں ظاہر فرما دیا اور اس کے ذریعہ سے اس کا کام بنوا دیا اور خود اس شکل والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی"۔

آپ کے مریدین کا خاتمہ بخیر ہونا

یہ بھی آپ کی بڑی برکت ہے کہ آپ کے متوسلین کو "حسن خاتمہ" کی دولت ملتی رہی ہے۔ جو ہر دولت سے بالاتر ہے۔ حضرتؒ خود بھی فرماتے تھے:

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلہ کی یہ برکت ہے کہ جو بلاواسطہ یا بالواسطہ حضرت سے بیعت ہو اس کا بفضلہ تعالیٰ خاتمہ بہت اچھا ہوتا ہے

Marfat.com

حق تعالیٰ ہر مسلمان کو حسن خاتمہ کی نعمت عطا فرمائے۔

یہہ عنوان اتنا وسیع ہے کہ ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے مگر چونکہ مسلک اشرفیہ میں اس کو اتنی اہمیت نہیں اسلئے اس اختصار ہی پر اس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ حق بھی یہی ہے کہ کرامات کی حیثیت غازہ کی سی ہے اور بقول عارف شیرازی ؎

بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

Marfat.com

باب چہارم

مسلک اشرفیہ

Marfat.com

اعتدال

یہ کیا حال ہو گیا ہے کہ جدھر نظر اٹھتی ہے افراط ہی افراط ہے یا پھر تفریط ہی تفریط، اعتدال کی تلاش میں نظر حیران و درماندہ رہ جاتی ہے ایک طرف ترقی کا یہ عالم کہ انسانی آنکھ میلوں دور تک دیکھنے لگی۔ کان دنیا کے ہر گوشہ کی خبر سننے لگے، اس کے دسترس میں پہنچی ہوئی ہوا اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی آگیا اس کے ذہن نے شمس و قمر کے فاصلوں کو ناپ لیا اور وہاں کی کیفیات کو بھانپ لیا، مگر رخ کو ذرا دوسری طرف پھیر کر دیکھئے کہ اس کے قلب سے احترام انسانیت مٹ گیا، نرمی و مروت جاتی رہی۔ دوستی و دشمنی، حق پسندی و حق شناسی کے جواہر اس نگین سے نکل گئے۔ اب دوستی ہوگی تو ایسی کہ دوست کی خاطر دین تک قربان ہو سکےگا اور دشمنی ہوگی تو ایسی کہ پھر مخالف کی نیکی بھی جنایت سمجھی جائے گی۔ کسی کی مدح سرائی ہوگی تو عرش و فرش کے قلابے ملا دیئے جائیں گے۔ اور اگر کسی کی رد میں قلم اٹھے گا تو اس کی عزت و آبرو معرض خطر میں آجائے گی۔ لیکن خیر اس عالم بے اعتدالی میں خال خال ایسی ہستیاں بھی ملیں گی جن کا قدم اعتدال کے پل صراط پر ڈگمگایا نہ ہوگا جن کی نظر نے اپنے اور پرائے موافق و مخالف کے عیب و ہنر دیکھنے میں قصور نہ کیا ہوگا اور جن کا قلم تنقید و تبصرہ میں مبالغہ

Marfat.com

وغلو سے بچ کر نکلا ہوگا، اسی صفت "اعتدال" سے متصف ہستیوں میں ایک اعلیٰ نمونہ حکیم الامت کی ذات ہے، یہ آپ کی معتدل مزاجی کا ایک کرشمہ تھا کہ ہر بات کا مقام ومحل پہچانتے اور اس کے مطابق طرز عمل اختیار فرماتے تھے۔ روزانہ کی بات تھی کہ ابھی کسی زبید تہذیب کی غلطی پر غضبناک ہو رہے ہیں اور اس درجہ اظہار غضب ہو رہا ہے کہ شاید اب جو بھی آئے اس سے بچ نہ سکے گا، لیکن عین اس حالت میں جب کوئی شخص لائق التفات وشفقت آجاتا تو سارا غضب، محبت وشفقت میں بدل جاتا اور دیکھنے والے حیران رہ جاتے کہ ابھی گرج رہے تھے برس رہے تھے اور ابھی کھلکھلا نے مسکرانے لگے یعنی آپ "ابو الحال" تھے، چنانچہ گذر چکا کہ ایک اہلیہ کے پاس ہوتے تو دوسری کا تصور تک آنے نہ پاتا، یہ کمال بہت کمیاب ہے۔

آپ نے اپنے اور پرایوں کو قرآن وحدیث کی میزان میں تولا ہے۔ اور جو جتنا اترا ہے اس کا حق ادا کیا ہے ان کی طبعی جبلی مجبوریوں ذہنی وفکری خطاؤں، حالی ومقالی لغزشوں کی حدود شرع کے اندر تاویلات کی ہیں اور حسن ظن کی تلقین فرمائی ہے اور ان کی جو باتیں دائرہ شریعت میں نہ آسکی ہیں ان پر سکوت کیا ہے البتہ جو چیزیں حرم شریعت سے ٹکرائی ہیں ان کا صاف صاف رد کیا ہے۔ مگر صاحب قول پر لعن طعن اور سب وشتم سے پھر بھی گریز کیا ہے۔ یہ آپ کی سیرت کا اعلیٰ ترین وصف ہے اعتدال کے اس پل صراط پر چلنا کوئی آسان کام نہیں ہے

Marfat.com

آہستہ کہ رہ بر سرِ تیغ ست قدم را

آئندہ عنوانات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اسی میانہ و معتدل مسلک کی وضاحت ہوگی اور دکھایا جائے گا کہ کس طرح ہر معاملہ میں آپ نے نہایت محتاط، غیر دل آزار لیکن مستحکم پہلو اختیار فرمایا ہے خود فرماتے تھے کہ ان کو ریشم کا رستا ہونا چاہیئے کہ پکڑو تو نہایت نرم لیکن توڑنا چاہو تو ہاتھی کے زور سے بھی نہ ٹوٹ سکے، مراد یہ کہ مسلک و مشرب میں تو نہایت سخت ہو لیکن اس کی تلقین و اشاعت کا وہ ڈھنگ اختیار کرے کہ کسی مخالف کا دل مجروح نہ ہونے پائے، تبلیغ دین کا یہ ایک اہم ترین نفسیاتی نکتہ ہے جسکی تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

"کفار کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو!"

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ آپؐ تو بت شکنی ہی کے لئے مبعوث ہوئے تھے!!

تصوف و صوفیہ

سلاسل اربعہ

تربیت باطن کے متعدد طریقے اور سلسلے رائج ہیں۔ لیکن ان میں سے چار کو زیادہ شہرت و عمومیت حاصل ہے نقشبندیہ جو خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ سے چلا ہے چشتیہ جس کے بانی خواجہ ممشاد علوی ہیں قادریہ جس کی ابتداء شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے ہوتی ہے اور سہروردیہ جس کی پہلی کڑی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہیں۔ ان سلسلوں کا طرز اصلاح ایک دوسرے سے مختلف ہے بالکل اسی طرح جس طرح اطبائے یونانی، ویدک، ایلوپیتھس اور ہومیوپیتھس اپنے اپنے طریقہ علاج میں ایک دوسرے سے متفرق ہیں لیکن ظاہر ہے کہ سب کا مقصود ازالۂ مرض اور صحت کی بحالی ہے یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بدنی علاج کی بنیاد تو محض عقل و تجربہ پر ہے اس لئے اس میں اختلاف لازمی ہے لیکن روحانی علاج جس کے لئے قرآن حکیم نازل ہوا، اس کے طریقوں میں اختلاف کیوں ہو؟ - جواب یہ ہے کہ جس نوع کی روحانی صحت پیدا کرنی ہے اور جس ظاہر کے ساتھ اس کا لقاء منظور ہے وہ تو نصوص ہے لیکن اس میں جس جس کا کمال چاہا گیا ہے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کے علاوہ صبر و شکر، توکل اور اصلاح نیت وغیرہ کا جو مطالبہ کیا گیا ہے اس کے

Marfat.com

ذرائع متعین نہیں ہیں بلکہ ان میں اجتہاد کو دخل ہے اور مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف ناگزیر ہے۔ اور یہ کوئی عیب نہیں۔ چنانچہ حکیم الامت نے بار بار فرمایا:۔

"میں دو فنون میں ہر زمانہ میں اجتہاد کا قائل ہوں
ایک طب جسمانی دوسرے طب روحانی"

غرض صوفیاء کے مختلف سلسلوں کی حقیقت تو بس اتنی ہی ہے۔ مگر بعض کم فہموں نے اس اختلاف کو غلط سمجھا اور ایک دوسرے کی تکفیر شروع کی جو انجام کار کے اعتبار سے مہلک ہے کیونکہ ہر سلسلہ میں اللہ کے بیشمار محبوب و مقبول بندے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنا (بربنائے حدیث) اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لینا ہے۔ جس میں کوئی جیت نہیں سکتا حکیم الامت نے اس خطرہ کے پیش نظر "تعلیم الدین" کے باب عقائد و تصدیقات میں تحریر فرما دیا ہے:۔

"جس مجتہد اور شیخ[۱] سے اعتقاد ہو اس کی پیروی کرے
دوسروں کو برا سمجھنا درست نہیں اور پیروی مجتہد اور شیخ
کی اسی وقت تک جائز ہے جب تک ان کی بات خدا اور
رسولؐ کے خلاف نہ ہو اور اگر ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہو،
اس میں پیروی نہیں"

پھر اسی کتاب کے باب "وصایا" میں شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں

---

[۱] مراد امام فقہ اور شیخ طریقت

"مذاہب میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے کہ حنفیوں کا مذہب سب سے اچھا ہے یا شافعیہ کا سب سے بڑھ کر ہے اپنے مذہب پر عمل کرتا رہے اور نہ صوفیوں کے طرق میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کہ چشتیہ کی نسبت بڑے زور کی ہے، دوسرا کہے واہ نقشبندیوں میں اتباع سنت زیادہ ہے۔ اور اسی قسم کے خرافات سے بچے"

عام صوفیائے کرام خصوصاً حضرات چشت

یہ تو ان کا ذکر تھا جو آپس میں خواہ مخواہ ایک کو گھٹاتے دوسرے کو بڑھاتے ہیں، لیکن ایک بڑا گروہ جو صرف "کرم کتابی" ہے اور "صحبت" کے فوائد روحانی لطائف اور الفاظ کے حقائق و معانی سے بے بہرہ ہے عام صوفیا پر لعن طعن کرتا اور خصوصاً حضرات چشت کو راہ سنت سے بیگانہ قرار دیتا ہے حکیم الامت نے "السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ" نام سے کچھ کم دو سو صفحات کی کتاب تصنیف فرمائی ہے جس میں ان تمام بدگمانیوں کا ازالہ کیا ہے اور ان فتنہ پردازیوں کا پردہ چاک کیا ہے جو نفس پرستوں نے حضرات چشتیہ کی نسبت سماع کے انعقاد، علوم قرآن وحدیث سے بے التفاتی یا کم التفاتی کی جھوٹی روایتیں منسوب کرکے حائل کر دیا تھا۔ تمہید میں ایک اصولی بات بتائی ہے۔

"مدت سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ خیال بسا ہوا ہے اور جوں جوں

Marfat.com

جہل کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اس میں قوت ہوتی جاتی ہے کہ حضرات صوفیہ میں عموماً اور چشتیہ میں خصوصاً شریعت کا اتباع نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے۔ اس سے دو مفسدے پیدا ہوتے ہیں ایک ان حضرات کے معتقدین دوسرا غیر معتقدین میں"

"معتقدین کے اعتقاد میں خود شریعت ہی کا اتباع اس خیال سے ضروری نہیں رہا کہ ضروری ہوتا تو خود یہ حضرات ہی متبع ہوتے اور غیر معتقدین میں یہ مفسدہ ہوتا ہے کہ ان کے اعتقاد میں شریعت واجب الاتباع ہے مگر چونکہ یہ حضرات ان کے زعم میں متبع نہیں اس لئے وہ ان کی شان میں گستاخی کرنے لگے اول مفسدہ تو سرحد کفر سے ملا ہوا ہے کہ اس میں جمود (انکار شریعت مقدسہ کا جس کا جواب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دوسرا مفسدہ گو کفر نہیں، مگر درجہ بدعت سیئہ و معصیت قطعیہ تک یقیناً پہنچتا ہے کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل عنوان الٰہی سے بدگمانی اور ان کی شان میں بدزبانی ہے جو نصوص کے خلاف ہے اور نصوص کے خلاف عمل اگر شبہ سے ہے تو بدعت ہے ورنہ فسق معصیت لاشبہ ہے

ظاہر ہے کہ صوفیائے کرام کی شان میں ساری بے ادبی و گستاخی کا مدار یہ خیال خام ہے کہ یہ حضرات اتباع سنت میں پورے نہیں ہوتے خصوصاً حضرات چشتیہ سے متعلق تو بعض غیر محقق اور نام نہاد صوفی بھی کہہ دیتے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ میں تو اتباع سنت غالب ہے۔ لیکن چشتیہ میں اس کا اہتمام نہیں۔ اب اس کی تحقیق ایک چشتی اور عاشق رسول حکیم الامتؒ کی زبانی سنئے: فرماتے ہیں۔

حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے متبع سنت ہونے پر قریب قریب سب کو اتفاق ہے اور صحیح اتفاق ہے مگر خود ان کے طریق میں بعض ایسی چیزیں جو نصوص میں وارد نہیں "شرط طریق" ہیں اور شرط بھی اعظم و اہم! چنانچہ تصور شیخ باوجودیکہ صریحاً کسی نص میں وارد نہیں اور پھر خطرناک بھی ہے اور بعض کو اس میں غلو بھی ہو گیا ہے اور اسی خطرہ و غلو کے سبب مولانا

شہید (اسمٰعیل شہید) اسکو منع فرماتے ہیں چنانچہ انوار العارفین ذکر تصور شیخ میں کنز الہدایہ بحوالہ مکتوبات حضرت مجدد صاحبؒ کا ارشاد نقل ہے ا

" ذکر تنہا بے رابطہ و بے فنا فی الشیخ موصل نیست، ذکر ہر چند
از اسباب وصول است لیکن غالباً مشروط برابطہ محبت
و فنا در شیخ است آرے این رابطہ تنہا با رعایت آداب
صحبت و توجہ والتفات شیخ بے التزام ذکر موصل است"

اور گو چشتیہ میں بھی مثل دیگر طرق کے ایسے اشغال ہیں جو صریح سنت میں وارد نہیں مگر کوئی شغل شرط طریق نہیں بلکہ مطلق شغل بھی شرط نہیں بعض کے لئے صرف ذکر ہی کافی ہوجاتا ہے پس چشتیہ کی شان بالکل حنفیہ کے مشابہ ہے کہ باوجود تمام مذاہب سے زیادہ شدید الاتباع ہونیکے جیسا کہ ان کے اصول ظاہر ہے اپنے دقیق ماخذ کے سبب مخالفت حدیث میں بدنام ہیں اسی طرح چشتیہ کے اصول سے انکا سنت میں شدید الاتباع ہونا ظاہر ہے جیسے کہ اوپر ایک اصل دلیل گذری کہ ان کے طریق میں کوئی امر ایسا شرط مقصود نہیں جو سنت میں وارد نہ ہو اور اصول ہی اصل معیار ہیں۔

اس اصولی گفتگو کے بعد باب اول میں ان حضرات کے بعض وہ اقوال درج ہیں جنیں اتباع سنت کی تاکید فرمائی گئی ہے باب ثانی میں بعض وہ افعال نقل ہیں جن سے خود ان کا شدید الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے اور باب ثالث میں بعضے ایسے اقوال یا افعال کی توجیہ فرمائی گئی ہے اور ان کے اشکال رفع کیئے

Marfat.com

ہیں جن سے بادی النظر میں عدم اتباعِ سنت کا وہم ہوتا ہے[1] اب بھی اگر کوئی صوفیائے کرام اور خصوصاً حضرات چشتیہ سے متعلق بدگمانی رکھے تو اسے اختیار ہے لیکن پھر وہ اپنی عاقبت کی خیر منا تے!

ربنا لا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم

شیخ اکبر کی نسبت آپ کا مسلک

گروہ صوفیہ میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی المعروف بہ شیخ اکبر کی ذات ایسی ہے جس کے مؤید اور غیر مؤید دونوں تائید یا عدم تائید کے وقت جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں حکیم الامت کی میانہ روی ملاحظہ ہو۔

"میرا مسلک حضرت شیخ قدس سرہ کے بارہ میں یہ ہے کہ بنا بر شہادت جم غفیر اکابر امت جس کی حجیت انتم شہداء اللہ فی الارض سے ثابت ہے شیخ کی مقبولیت و ولایت کا عقیدہ کامل رکھتا ہوں اور شیخ کے اکثر علوم جو از قبیل اسرار ہیں اور میرے فہم سے خارج ہوں عقلاً نہ ان کے اثبات کا حکم رکھتا ہوں بامتثال لا تقف مالیس لک بہ علم اور نہ ان کی نفی کا باتمام آیت بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ اور بلا ضرورت شرعیہ ان کی اشاعت و اشتغال کو مضر سمجھتا ہوں بحکم آیت واما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ اور طبعاً ان کے قول کی طرف توجہ کرنے سے قلب میں اطمینان نہیں پاتا ہوں اس لئے

---

[1] اس سلسلہ میں "مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" جلد دوم مؤلفہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ بھی بصیرت افروز ہے۔ (مولف)

مطابق حدیث دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک ان کا استحضار نہیں کرتا اور جن علماء نے حفاظت شریعت کے لئے حدود شرعیہ کے اندر رہ کر اقوال شیخ بلکہ شیخ پر نکیر کیا ہے ان کو حسب آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اور حدیث انما الاعمال بالنیات اور اس مجموعی مسلک میں اپنے کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متوافق دیکھتا ہوں جیسا کہ ان کے بعض مکتوبات سے ظاہر ہے البتہ مجدد صاحب میں یہ امر مزید ہے کہ وہ ان کے اقوال پر کلام بھی کرتے ہیں جو بوجہ ان کے محقق و صاحب کشف ہونے کے ان کا حق ہے اور ہم یہ منصب نہیں رکھتے، بقول عارف رومیؒ ؎

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ

حسین ابن منصور حلاج رح زمرۂ عشاق میں شاید سب سے زیادہ بدنام شخصیت منصور حلاج کی ہے جو اصل میں حسین ابن منصور ہیں ان سے متعلق حکیم الامت نے ایک تحقیقی رسالہ "القول المنصور فی ابن منصور" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس کی ابتداء میں ایک اصولی بات لکھی ہے۔

"کسی غیر مقبول کے ساتھ حسن ظن رکھنا مضر نہیں اور مقبول سے بلا وجہ بدگمانی کرنا مضر ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی رذیل کے ساتھ شریفوں جیسا معاملہ کرنا برا نہیں، لیکن کسی شریف کے ساتھ رذیلوں جیسا برتاؤ بہت برا ہے۔"

Marfat.com

پھر خاتمہ پر ارشاد ہے۔

"ایسی سخت سزا اور سنگین مصیبت کو اس درجہ صبر و استقلال کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے تحمل کرنا نہ کسی زاہدِ خشک سے ممکن ہے نہ کسی ساحر زندیق سے اور عین اس حالت میں نشۂ توحید سے سرشار ہو کر محبت و عشق الٰہی کا ایسا دردانگیز اظہار کرنا کہ مشائخ وقت بھی نعرۂ حسب الواحد افراد الواحد لہ سن کر رقت پذیر ہو گئے اور اس دردانگیز حالت میں شبلیؒ جیسے امام طریقت کے سوالات کا جواب دینا ابن منصور کی جس شانِ یکتا کو ظاہر کرتا ہے زمانہ کی نگاہ نے اس کا نظارہ بہت کم کیا ہوگا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ ابن منصور کا واقعہ قتل اور سانحہ ہوش ربا ہی ان کے سچے صوفی، عاشق فانی محبوب سبحانی، اور صاحب استقلال لاثانی ہونے کی بڑی دلیل ہے رہا یہ امر کہ اس مجمع میں کسی نے بھی ان کی اس حالت استقامت اور مستی محبت درجۂ کمال سے ان کی ولایت و معرفت پر کیوں نہ استدلال کیا؟ تو اہل بصیرت نے ضرور کیا ہوگا"۔ لہ

ایک عام اصول اور اہم انتباہ

اب حکیم الامت کی ایک جامع نصیحت درج کی جاتی ہے جس سے ان کے عام مسلک کی پوری پوری وضاحت ہو گی اور ہر ایک کو اپنے مسلک کی درستی کا

لہ منصور حلاج کی شہادت دراصل وزیر حامد کی سازش و عداوت کا نتیجہ تھی۔ بقول رومیؒ ؎ چوں قلم در دست غدارے فتاد لاجرم منصور بر دارے فتاد

Marfat.com

موضح ملے گا ارشاد ہوتا ہے:-

جن حضرت ہیں قبول کے علامات ظاہر ہیں اور منجملہ ان علامات کے علمائے محققین کا حسن ظن بھی ہے ان کے ساتھ حسن اعتقاد رکھے، اور ان کے کلام میں اگر کوئی امر ظاہراً خلاف سواد اعظم دیکھے تو اپنا اعتقاد اس کے موافق نہ رکھے۔ نہ اس کو کسی کے سامنے نقل کرے، نہ ایسی کتابوں کا خود مطالعہ کرے جبتک کسی شیخ سے نہ پڑھ لے کیونکہ ان حضرات کا مقصود عوام کے لئے تدین نہیں بلکہ عوام سے اخفا فرماتے تھے لہذا اعتقاد سواد اعظم کے موافق رکھے اور اس کلام میں اگر تاویل ممکن ہو تو تاویل کرے ورنہ غلبۂ حال پر محمول کرے یا دشمنوں کے ملحق کر دینے کا احتمال کرے یا مثل متشابہات کے اس کو مفوض بہ حق کرے کیونکہ گو وہ معصوم نہ تھے لیکن شریعت کے بے حد متبع تھے چنانچہ غیر معذور سے اگر کوئی فعل خلاف شریعت ظاہر ہو تو اس پر ان سے خود نکیر منقول ہے اور اس لئے احکام میں خود ان سے ایسا امر منقول نہیں (جو شریعت کے خلاف ہو) صرف بعض "اسرار" منقول ہیں جن کی بنیاد ذوق کشف پر ہے اور تعبیر خاص اصطلاح میں کی گئی ہے اور ان دونوں چیزوں سے چونکہ عوام اور اہل ظاہر بے بہرہ ہیں اس لئے ان کے کلام کے معارض شریعت ہونے کا یہ لوگ فیصلہ نہیں کر سکتے گو ظاہری علم وفضل کے اعتبار سے)

ان سے بڑھے ہوئے ہوں اس لئے ان کو اجمالاً تسلیم کر لینا چاہئے ورنہ گستاخی سے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے!!

البتہ جو شخص ایسا ہی محقق ہو اس کو حق ہے کہ ایسے کلام پر مفصلاً رد کرے، خواہ "خطائے اجتہادی" کے درجہ میں اور خواہ "الطبال" کی حد تک"

مجاہدات اربعہ صوفیانہ مجاہدات میں چار چیزیں مشہور و عام ہیں اور اہم سمجھی جاتی ہیں۔ قلت[1] طعام۔ قلت[2] منام قلت[3] کلام۔ قلت اختلاط[4] مع الانام، یہ مجاہدات حضرت امام غزالیؒ سے لے کر ابن صدی تک اس طرح متواتر چلے آرہے ہیں کہ بعض غیر فن داں لوگوں نے ان کو قطعی حیثیت دیدی ہے حالانکہ یہ اور اس قسم کے سارے مجاہدات اجتہادی اور بہ اعتبار زمانہ لائق تبدیلی ہیں۔ ہر صاحب عقل سوچ سکتا ہے کہ آج کل جبکہ لوگوں کے قوی اس قدر ضعیف ہو چکے ہیں اور مختلف افکار نے ان کے ذہنوں کو گھیر لیا ہے۔ قلت[1] طعام اور قلت منام کے مجاہدات ان کے لئے کس طرح مناسب وکارآمد ہو سکتے ہیں، اسی بدلی ہوئی صورت حال کے پیش نظر اشرفی مسلک سے یہ دونوں چیزیں خارج کر دی گئیں ہیں، البتہ کم گوئی اور لوگوں سے کم آمیزی کو حسب حال برقرار رکھا گیا کیونکہ جو مضرتیں زبان و اجتماع کے ذریعہ اس دور میں پیدا ہیں وہ شائد ہی کبھی رہی ہوں گی۔ مگر یہ بات اسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے جبکہ ذیل کی حقیقت اور مجاہدات کی بنا سمجھ میں آئے خود حکیم الامتؒ کی زبانی اسکو سمجھئے۔ فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

"زہد ترک لذات کا نام نہیں، محض تقلیل لذات کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی فکر میں رہے، یہ چیز زہد کے منافی ہے ورنہ اگر بلا تکلیف اور بلا اہتمام خاص کے لذات میسر آئیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے، شکر کرنا چاہئے"

"بہت کم کھانا بھی زہد نہیں، نہ یہ مقصود ہے کیونکہ ہمارے کم کھانے سے نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی توفیر تھوڑا ہی ہو جائے گی، ہاں اتنا بھی نہ کھائے کہ پیٹ میں درد ہو جائے، ہمارے حاجی (امداد اللہ) صاحب کا مذاق تو یہ تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی خوب لے میرا تو خیال ہے کہ "مزدور خوش دل کند کار بیش"، حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک روز فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی ہمیشہ ٹھنڈا پیو کہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے، ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی دل شریک نہ ہوگا۔

اسی طرح سونے میں اعتدال رکھے۔ نہ اتنا زیادہ سوئے کہ کسل ہو نہ بہت کمی کرے کہ یبوست (خشکی) ہو جائے۔

البتہ کثرت کلام پر تنبیہہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

"زیادہ گوئی قابل ترک ہے حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ فضول گفتگو دن بھر بھی ہوتی رہی تو اس سے قلب پر ظلمت کا اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک کنجڑا دن بھر لے لو امرود پکارتا پھرے تو ذرہ برابر

Marfat.com

قلب میں اس سے غفلت نہ آئے گی کیونکہ بضرورت ہے اور بے ضرورت ایک جملہ بھی زبان سے نکل جاتے تو دل پیادہ ہو جاتا ہے"

اسی طرح لوگوں سے تعلق بڑھانے کو سخت مضر بتایا ہے فرماتے ہیں:-

"اگر تم خلق کو ارتباط بالاحباب کی وجہ سے معمولات کو ناغہ کروگے تو ایک دن بالکل کورے رہ جاؤ گے، من لا ورد لہ لا وارد لہ

مسلک سیاسی

دینی مسائل ہوں یا دنیوی ایک مصلح دامت جب ان کو پرکھے گا۔ تو اس کی کسوٹی صرف کتاب و سنت ہی ہو سکتی ہے چنانچہ ایک پر اپنے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں ایک دور بین زندہ دل مرد درویش بیٹھا ہوا مسلمانو کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل۔ نیک بد اور صحیح و غلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا، اس کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی اور اس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ مسلمانوں کی زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کے درست کرنے میں مشغول تھا اس نے پوری زندگی اس میں صرف کی کہ مسلم کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنائے جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت بھی جبکہ تحریک خلافت نے نہ صرف عام مسلمانوں کو بلکہ بڑے بڑے علماء کو کانگریسی مسلک سے متفق کر دیا تھا اس مرد آخر بیں کی نظر اس ہنگامہ آرائی کے ہولناک مناظر دیکھ رہی تھی اور چونکہ وہ "اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی" اس لئے علی اس طوفانی دور میں آپ نے اپنی جان و عزت کی فکر کئے بغیر جو کچھ حق سمجھتے تھے اس کو برملا پیش کیا، اس کے صلے میں الزامات ملے کسی نے انگریز کا پٹھو کہا، کسی نے کہا کہ یہ تو مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جیسا

اس کے باوجود اپنے مسلک میں مستحکم پایا تو "آزادی" کا نعرہ بلند کرنے والوں نے اشرار کی جماعت تھانہ بھون میں بھیجی تاکہ اس زبان ہی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے جس سے یہ خلاف مرضی باتیں نکل رہی تھیں، یہ ٹکڑی آئی اور لاٹھیوں سے مسلح راستہ کے کنارے چھپ گئی تاکہ صبح جب حکیم الامت مسجد جا رہے ہوں تو ان کا کام تمام کر دیا جائے، مولانا تھانوی کو اس کی اطلاع ملی آپ مراقب ہوئے، میلان قلبی یہی رہا کہ مسجد جایا جائے، حسب معمول ایک ہاتھ میں قندیل اور ایک ہاتھ میں عصا لئے ہوئے صبح صادق سے پہلے ہی گھر سے چل پڑے جب اس مقام پر پہونچے جہاں غنڈے چھپ رہے تھے تو ان پر اس درجہ ہیبت طاری ہوئی کہ سب کے سب بے تحاشا وہاں سے بھاگ پڑے اور پہلی ٹرین کے ذریعہ تھانہ بھون سے چلے گئے اور پھر کسی نے ایسی جرأت نہ کی ۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

یہ سب کچھ ہوا لیکن جو اعتدال اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ گو آپ بہ حیثیت مجتہد اپنی رائے میں بہت مستحکم تھے ۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ بالکل اجتہادی تھا اس لئے خود اپنے حلقۂ ادارت کے علماء کو بھی اختلاف رائے کی پوری پوری آزادی دے رکھی تھی، البتہ جب بعض علماء نے حدود سے تجاوز کیا اور خود آپ کو اپنی قائم کردہ رائے کے سامنے غلط ٹھہرانے کی سعی کی اور جادہ اعتدال سے ہٹ گئے، تو حکیم الامت نے ان کو اپنے زمرہ سے نکال دیا ۔ بعد کو جب خلافت تحریک کی آندھی ختم ہوئی اور حکیم الامت

کے محسوس کردہ خدشات حقائق بن کر سامنے آئے تو پھر ان حضرات کی ندامت وخجالت بیان سے باہر رہی لیکن پھر نقصان کی تلافی نہ ہو سکی۔ اب اس اصولی اعلان کا متعلقہ جز پیش کیا جاتا ہے جو آپ نے ہندو مسلم اتحاد اور ترک موالات سے متعلق ۱۳۳۹ھ میں شائع فرمایا تھا:۔

تحریکات حاضرہ کا خلاصہ اس وقت دو امر ہیں (۱) تعاون جس کی نفی کا نام ترک موالات رکھا ہے اور دوسرا اتحاد ہندو مسلم:۔

امر اول (یعنی ترک موالات) کا درجہ اول وہ نوکریاں یا وہ لین دین کی صورتیں ہیں جو دلائل شرعیہ سے فی نفسہا ناجائز ہیں اور ان کے ناجائز ہونے پر ہمیشہ علماء فتویٰ دیتے چلے آئے ہیں، اور وہی فتویٰ اب بھی باقی ہے۔ مثلاً جن نوکریوں میں سود کی ڈگری دیجائے یا جس تجارت میں سود کا معاملہ ہو، اسی طرح وہ دوستانہ معاشرت جو خاص مسلمانوں ہی کا حق ہے یا وہ علوم و فنون حاصل کرنا جو دین میں مضر ہیں سو انہیں واقعات حاضرہ کو کچھ دخل نہیں اور نہ ان میں مسلم اور غیر مسلم میں کچھ تفاوت ہے ان سے اختلاف حال میں احتجاج کرنا درحقیقت خلط مبحث اور بالکل بے ربط و بے محل بات ہے۔

"امر ثانی (ہندو مسلم اتحاد) کا درجہ اول وہ اتحاد ہے جس کا حاصل عدم نزاع ہے یعنی دونوں فریق حدود کے اندر رہ کر اپنے اپنے فرائض نصبی کو ادا کریں اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں اور حقوق ہمسائیگی کی باہم رعایت رکھیں، سو یہ درجہ فی نفسہٖ جائز ہے اور اب بھی اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں"۔

امر اول (ترک موالات) کا دوسرا درجہ مباح، اجارات و تجارات و تعلیمات و استعانات

و تعلقات حاکمیت و محکومیت کے ہیں۔

(۲) امر ثانی (ہندو مسلم اتحاد) کا دوسرا درجہ وہ اتحاد ہے جس کی غرض ہندوستان کے لئے آزاد حکومت کا حاصل کرنا ہے اس وقت علماء و عقلاء کا انھیں دو درجوں میں اختلاف ہے پس بعضے تعاون کے اس درجہ کو جائز اور اتحاد کے اس درجہ کو ناجائز کہتے ہیں یہ تحقیق ہے محل اختلاف کی اب اس اختلاف کی حقیقت دیکھنا سمجھے، یہ تعاون یا اتحاد شرعاً فی نفسہٖ نہ واجب ہے نہ حرام ہے۔ شرعاً امور مباحۃ میں سے ہے چنانچہ اہل علم پر ظاہر ہے۔ یہاں تک تو کوئی اختلاف نہیں آگے بعض کی نظر تو اس عدم تعاون مع الحکومت اور اتحاد مع الہنود کے مصالح و منافع ضروری التحصیل فی زعمہم (یعنی وہ مصلحتیں جو ان کے زعم میں ضروری تھیں) پر پڑی اور وہ "خلافت کمیٹی" والے ہیں۔ ان عوارض پر نظر کر کے انھوں نے ان دونوں امر کو واجب و جائز کہا۔ اور بعض کی نظر اس عدم تعاون اور اتحاد کے مضار و مفاسد دینیہ حالیہ و مالیہ ضروری الاجتناب (یعنی موجودہ و آئندہ قابل ترک برائیوں) پر پڑی جن کی تفصیل خاص خاص تحریرات میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ ان عوارض پر نظر کر کے انھوں نے ان دونوں امر کو ممنوع کہا۔ اور احقر کی بھی یہی رائے، اور اسی بنا پر اعلان اول میں اسکو فتنہ کہا تھا یہ حقیقت اور بنا ہے۔ اس اختلاف کی واب اس سے امور ذیل معلوم ہو گئے ہوں گے:-

(۱) یہ کہ اس اختلاف کی دونوں شقیں قطعی نہیں ہیں ظنی اجتہادی ہیں۔ پس ان میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ گو کوئی چھوٹے درجہ کا طالب علم بھی کسی بڑے عالم کے ساتھ اختلاف کرے محض اسی اختلاف سے کسی فریق کو دوسرے

فریق پر لعن طعن یا سب وشتم یا لعنت وملامت یا تضلیل وتجہیل یا تفسیق وتکفیر یا جبر وتشدد وظلم وایذا یا بقول یا بالعمل، یا کسی بزرگ کا اس کو مخالف و بے ادب مشہور کرکے بدنام کرنا جائز نہیں (بحکم مقدمہ ۱) البتہ منکرات شرعیہ پر انکار یا تقبیح یہ واجب ہے اور اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں بعض واقعات وعوارض کا اختلاف ہے جس کی شرعی مثالیں مقدمہ (۲) میں مذکور ہوچکی ہیں اور ایک عرفی مثال اور معروض ہے اختلاف دلائل کی، مثال دو یونانی متحد الاصول طبیبوں کا اختلاف اس مریض کے باب میں ہے جو کمزور بھی ہے اور اس میں کسی مادہ فاسد کا بھی غلبہ ہے۔ ایک طبیب نے اس پر نظر کی کہ جبتک مادہ کا تنقیہ نہ کیا جاوے گا قوت نہ آوے گی اس لئے مسہل تجویز کردیا، دوسرے طبیب نے اس پر نظر کی کہ جبتک قوت کی بقا کی تدبیر نہ کی جاوے گی مسہل ہی کا متحمل نہ ہوگا اس لئے مسہل کو منع کیا اب یہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ مادہ کا تنقیہ بھی ضروری ہے اور قوت کا تحفظ بھی ضروری ہے مگر پھر بھی عوارض کے سبب دونوں کی رائے میں اختلاف ہوگیا، پس یہ اختلاف ان دونوں مسلوں کا اسی قبیل سے ہے کہ منافع ومضار پر نظر پڑنا اس کا باعث ہوگیا۔

"تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ اس عدم تعاون کا نام جو بعض نے ترک موالات رکھ لیا ہے اس عنوان سے اس کا حکم جو اوپر مذکور ہوا بدل نہ جائے گا (بحکم مقدمہ ۳) جیسا کہ بعض نے یہ ترکیب رکھی ہے کہ قرآن مجید میں جو موالات کی ممانعت کی آیتیں آئی ہیں۔ اس عدم تعاون کو اس میں داخل کرکے اختلاف کرنیوالے فریق کو قرآن کا مخالف بنا کر عوام الناس کو اس سے متوحش ومتنفر

کرتے ہیں جس طرح عاملین مولد نے اپنی مجلس متعارفہ کا نام مجلس ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیام کا نام تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھ کر اہل حق کی طرف سے عوام کو بدگمان کردیا کہ ذکر وتعظیم رسول سے منع کرتے ہیں. یا امتناع وامکان کے مسئلہ میں اس طرح بدنام کیا کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ خدا تعالی جھوٹ بھی بول سکتا ہے، بس ایسی ہی اصطلاح "ترک موالات" سے کام لیا جارہا ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کوئی نام رکھدینے سے حقیقت نہ بدل جائیگی اس لئے حکم بھی نہ بدلے گا، باقی ایسی ترکیب سے کام لینا اہل علم کے شان کے بالکل خلاف ہے۔ میں نے اپنے نزدیک ان مسائل اور ایسی اخلاف اور اپنے مسلک کی حقیقت بالکل صاف کردی ہے اگر اس پر بھی بدنام کرنے کا شوق ہو تو اس سے زیادہ نہ کہوں گا کہ فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔

والسلام

احقر اشرف علی. تھانہ بھون جمادی الاول ۱۳۳۹ھ

اس لاجواب اعلان کے بعد حکیم الامتؒ پر اوچھے وار کیے گئے لیکن قدرت نے ان سب کی مدافعت کی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کی کہی ہوئی بات پتھر کی لکیر نکلی اور خلافت تحریک کے نتیجہ میں مسلمانوں کو حرماں نصیبی اور پریشانی اور بعض صورتوں میں بے دینی کا منھ تک دیکھنا پڑا۔ لیکن اب تو کانگریسی مسلمان عوام اور علماء کا غیض و غضب اور بھی بڑھ گیا اور حکیم الامت کو ابتدائً انگریزوں کا زندہ اور پھر مسلم لیگ کا کٹر حامی سمجھا جانے لگا۔ اور آج بھی بعض نہ جاننے والے حکیم الامت کے سیاسی مسلک کی نزاکت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے آپ کو "لیگ" کا ایسا ہی حامی سمجھتے ہیں جیسا کہ اس کے باضابطہ اراکین تھے۔ ذیل میں آپ کا ایک اور جامع بیان درج ہے جس سے آپ کے مسلک کی پوری پوری طرح وضاحت ہوتی ہے اور حمایت لیگ کے حدود کی تعین ہو جاتی ہے یہ ایک صاحب کے استفسار کا جواب ہے جس کو "تنظیم المسلمین" کے نام سے موسوم فرمایا ہے:۔

"قال اللہ تعالیٰ" واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ الاٰیۃ

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی مدعا نگار ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ آجکل ہندوستان میں مفاد ملکی کے نام سے ایسی سیاسی جماعتیں جو تنظیم و تعمیم کی جامع ہوں دو ہیں۔ ایک کانگریس، دوسری مسلم لیگ، اور دونوں اپنی اپنی طرف شرکت کی دعوت دیتی ہیں اور نافعیت میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتی ہیں اہل رائے اختلاف رکھتے ہیں اور اسی کی تحقیق کے لئے مدت سے متردّدین کی طرف سے شرکت کے متعلق مختلف عنوانات سے سوالات کا سلسلہ جاری ہے اب تک چونکہ دونوں کے واقعات کا کافی علم نہ تھا اس لئے جواب کی بنا زیادہ تر سائلین

Marfat.com

کے بیان پر ہوتی تھی اور احیاناً جواب کے کچھ حصہ میں ثقات کی روایات کو بھی کچھ دخل ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات بغرض مزید تحقیق خود سائل سے بھی واقعات کی تنقیح کی جاتی تھی، اور ان بیانوں کے اختلافات سے مختتم جواب نہ ہو سکتا تھا جس سے ممکن ہے کہ سائل کو شفائے تام نہ ہوتی ہو اور اس صورت میں یقیناً ایسے جوابوں سے طریق عمل کا اخذ کرنا جو سوال سے اصل مقصود تھا دشواری سے خالی نہ تھا اس لئے سخت ضرورت تھی کہ واقعات کی مزید تعین و تحقیق کی جائے جس کے لئے مختلف ذرائع اختیار کرنا ممکن ہو گیا۔ اور آج آپ کا خط اس جواب کے پیش کرنے کا محرک ہو گیا۔ یہ چند سطریں اسی جواب کی حکایت ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ فضائے حاضر میں مسلمان کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے کی سخت ضرورت ہے اور ان کے تمام منافع اور مصالح کی حفاظت اور تمام مضار و مفاسد سے صیانت اسی تنظیم پر موقوف ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم و عمل ہے کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کے موافق ہو (جو آیتِ پیشانی میں اعتصام بحبل اللہ کی لا تفرقوا پر تقدیم سے بھی ظاہر ہے) سو اگر اس وقت ملک میں اس صفت کی کوئی جماعت موجود ہوتی یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب واضح تھا لیکن موجودہ حالت میں افسوس اور نہایت افسوس کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے نہ قریب میں توقع، اس لئے بجز اس کے چارۂ کار نہیں کہ موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور اس میں قواعد شرعیہ کی رو سے جو نقص ہو اس کی اصلاح کریں۔

Marfat.com

اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان اور دوسرے کی دشوار ہو تو یہ قاعدہ عقلیہ ونقلیہ
من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما جسکی ماخذ کثیرہ میں سے ایک ماخذ حدیث
بریرہ میں یہ ارشاد نبوی ہے اعتقیھا واشترطی لھم الولاء علی ما قررہ
النواوی فی شرح الصحیح مسلم) اس میں داخل ہو جائیں جنکی اصلاح آسان ہو
سو اس کے متعلق جہاں تک تفحص بلیغ کے ساتھ تحقیق کیا گیا مذکورہ و مسئولہ دونوں
جماعتوں میں ان کی موجودہ حالت پر نظر کر کے مسلم لیگ کے نقائص کا رفع کرنا
سہل ہے اور کانگریس کی اصلاح متعسر (زیادہ مشکل) بلکہ متعذر ہے جس کے
وجہ کا خلاصہ وہی ہے جو آپ نے لکھا ہے کہ مسلم لیگ خالص کلمہ گویوں کی
جماعت ہے اور کانگریس میں عنصر غالب غیر مسلمین کا ہے اور جو شخص اسلام
کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بہ نسبت اُس کے جو اسلام کو حق
نہیں جانتا ظاہر ہے کہ سہل ہے۔ نیز مسلم لیگ کے اعلانات جیسے لیگ کا
مینوفسٹو وغیرہ اور کانگریس کے معاملات اس کے شاہد ہیں رسالہ آزادی جنگ
کو جس کا آپ نے سوال میں حوالہ دیا ہے، میں نے بھی دیکھا ہے واقعی اس
میں ان معاملات کی تفصیل اچھی طرح دی گئی ہے۔ منصف مزاج کے لئے
اس کا مطالعہ میرے خیال میں کافی ہے۔ پس اس اصل کی بنا پر شرح صدر
کے ساتھ میری یہ رائے قائم ہوئی کہ مسلمانوں کو اطمینان و توکل کے ساتھ
مسلم لیگ میں داخل ہونا چاہیئے۔ پھر ان میں جو اہل قوت ہوں وہ اہل
قوت کو وقتاً فوقتاً یاددہانی کر کے تقاضے کے ساتھ ان سے اصلاح مطلوب
کی درخواست کرتے رہیں اور

Marfat.com

اصلاح کے طریقوں میں علماء و محققین سے مدد لیتے رہیں۔ جو علماء اس میں شریک ہوں ان سے تو علمی و عملی دونوں امداد حاصل کریں اور جو اس میں کسی مصلحت یا عذر سے باضابطہ شریک نہ ہوں اُن سے صرف علمی مدد لیں یعنی اُن سے واقعات ظاہر کرکے احکام شرعیہ معلوم کرتے رہیں اور اُن کے موافق مسلم لیگ کی حالت کو درست کرتے رہیں اور مسلم لیگ میں جو معاملات پیش آئیں ان کے متعلق اگر علماء میں اختلاف ہو تو جو علماء کسی جماعت میں باضابطہ شریک نہ ہوں اون سے استفسار کیا جائے اور ان میں بھی اگر اختلاف ہو تو شرعاً دونوں شقوں میں گنجائش سمجھی جائے اور دونوں شقوں میں سے مدبروں کے نزدیک جو مصلحت ہو اس پر عمل کیا جائے اور جو علماء کسی جماعت میں شریک نہ ہوں وہ بھی بیکار نہ رہیں بلکہ وہ اس سے اہم خدمت میں مشغول رہیں اور وہ خدمت بندگان خدا کو احکام شرعیہ کی تعلیم و ترغیب دینے کی ہے جو مشترک طریقہ ہے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا۔ بلکہ پہلی قسم کے علماء کو بھی جتنا وقت مسلم لیگ کی خدمت سے بچے اس اشاعت احکام میں حصہ لینا ضروری ہے۔ پس اس تفصیل سے بقاعدہ تقسیم عمل (جو آیت وما کان المومنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین سے بھی ماخوذ ہے) سب کو اپنے کام میں مشغول ہونا چاہیئے، پھر اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ وعدہ الٰہی ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (سورہ ہود) وانا لا نضیع اجر المصلحین (سورہ اعراف) کا ظہور ہوگا اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ ہیئت مذکورہ اس تنظیم کو ہمیشہ ہمیشہ

Marfat.com

مستقلاً جاری و باقی رکھیں کیونکہ اُس کے ثمرہ کی تو ہمیشہ ہی حاجت ہے یہ تو خلاصہ
ہے اپنے انتظام کا، باقی دوسروں کے ساتھ معاملہ سو انتظام کے بعد اگر کانگریس
مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو تو حسب ارشاد و ان جنحوا للسلم فاجنح
لہا اُس سے اصول شرعیہ کے موافق تحفظ و تدبر کے ساتھ اہل تجربہ و اہل علم
و اہل فہم کے مشورہ سے صلح رکھیں مگر اپنی تنظیم مذکور کو اس وقت بھی قوت و
استقلال کے ساتھ قائم رکھیں اس کو کمزور نہ کریں، نہ کانگریس میں مدغم کریں کہ
یہ شرع اور تجربہ دونوں کے اعتبار سے نہایت مضر ہے۔ اور بالفرض اگر مسلم لیگ
کی اصلاح کے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منظمہ صاحب قوت و صاحب اثر تیار ہوجائے
اوس صورت میں مسلم لیگ اور وہ جماعت دونوں اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام
کریں تاکہ مسلمانوں میں افتراق و تشتت نہ ہو اور ان سب حالات میں قولاً و فعلاً
و حالاً و تقریراً و تحریراً موافق و مخالف ہر ایک کے ساتھ اخلاق اسلامی کو
اپنا شعار رکھیں، حسب ارشاد ہے وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن
وغیرہا من الآیات، خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ از خود نہ کسی سے آویزش
کی ضرورت نہ آمیزش کی ضرورت، رضائے حق کو مطمح نظر رکھ کر اپنے کام میں لگے
رہیں اور اس رضا کی شرط یہ ہے کہ ہر کام میں اس کا پورا لحاظ رکھیں کہ کوئی امر
خلاف شرع نہ ہونے پائے، یہی عبدیت کی روح ہے اور حیات مسلم کی
اصل الاصول ہے اور اس استقلال و استقامت کے ساتھ ہی دعا و ابتہال کو
اصل وظیفہ و تدبیر سمجھیں اور پھر نصرت حق کے منتظر رہیں، اب اس تحریر کو بزرگوں
کی ایک نافع وصیت اور دو جامع دعاؤں پر ختم کرتا ہوں، یہ دعائیں بھی ورد رکھنے

Marfat.com

کے قابل ہیں خصوص بعد نماز

وصیت

کار کن کار بگذر از گفتار — کاندریں راہ کار باید کار

دعائے اوّل۔ اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

دعائے ثانی اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم،

نوٹ :۔ ۱ اس جواب میں میں نے اپنے مزید اطمینان کے واسطے احتیاطاً اپنی جماعت کے متعدد محقق علماء سے بھی مشورہ کرلیا ہے اُن سب نے بھی اس سے اپنی موافقت کا اظہار فرمایا۔

۲:۔ یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے اگر خدانخواستہ حالات بدل جائیں تو حکم بھی بدل جائے گا۔

۳:۔ جو صاحب اس مضمون کو شائع کرنا چاہیں وہ اس کا خلاصہ شائع نہ کریں بلکہ بجنسہ پورا مضمون شائع کریں، خلاصہ کرنے میں بہت سی فروگذاشتیں اور نیز غلط فہمیاں ہوجاتی ہیں اور اگر کسی کو کسی کے شائع کردہ مضمون میں کچھ کمی بیشی کا شبہ ہو تو تھانہ بھون کے ماہوار رسالہ "النور" بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ سے مقابلہ کرلیں کہ اس رسالہ میں میرا یہ مضمون بعینہ پورا چھپا ہے۔ والسلام خیر ختام۔

مقام تھانہ بھون۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء

Marfat.com

وصیتیں

کسی کوچ کرنے والے کے آخری کلمات گویا اس کی تجرباتی زندگی کی روح اور اس کے جذبات واحساسات قلبی کی صحیح ترین تصویر اور اس کی خیراندیشی کا اعلیٰ ترین مرقع ہوتے ہیں اس لئے اس شخص کے مسلک کی بہترین ترجمانی انہی وصیتوں سے ہوسکتی ہے پس ہم حکیم الامت قدس سرہٗ کی وصیتوں کے وہ اجزا جن کا تعلق عام مسلمانوں کی صلاح وفلاح سے ہے ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے اس مرد درویش، شیخ شفیق، عارف کامل اور مجدد وقت کا مسلک بلکہ سارے مسلک کی روح اور اس کا مدار واضح ہوجاتا ہے — فرماتے ہیں :—

(۱) میں اپنے دوستوں سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے سب معاصی صغیرہ وکبیرہ، عمد وخطا کے لئے استغفار فرمائیں اور جو میرے اندر عادات واخلاق ذمیمہ ہیں انکے ازالہ کی دعا کریں۔

(۲) میرے بعض اخلاق سیئہ کے سبب بعض بندگان خدا کو حاضرانہ وغائبانہ میری زبان وہاتھ سے کچھ تکلیفیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں خواہ اہل حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو میں نہایت عاجزی سے سب چھوٹے بڑوں سے استدعا کرتا ہوں کہ للہ دل سے ان کو معاف فرمادیں اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگذر فرمادیں گے میں بھی ان کے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں عفو وعافیت عطا فرمادیں۔ معذرت کرنے والے کی تقصیر سے درگذر کی بڑی فضیلت آئی ہے اگر معاف کرنے کی ہمت نہ ہو تو حسب فتویٰ شرعی مجھ سے عوض لے لیں خدا کے لئے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا

Marfat.com

کسی طرح تحمل نہیں۔

(۳) اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہوگئی ہوں بطیب خاطر گذشتہ اور آئندہ کے لئے محض خدائے تعالیٰ کے راضی کرنے کو اور اپنے خطاؤں کے معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

(۴) چونکہ محبت میں اکثر مدائح غیر واقعیہ مشہور کر دیئے جاتے ہیں اس لئے میں اپنی سوانح لکھا جانا پسند نہیں کرتا اگر کسی کو بہت ہی بیتابی کا شوق ہو اور دوسرے اہل تدین و تحقیق بھی اجازت دیں تو روایت میں احتیاط شدید کو واجب سمجھنا چاہیئے ورنہ میں بری ہوتا ہوں۔

(۵) تالیفات کے بعض مقامات میں مجھ سے اختصار موہم یا زیادات موہمہ یا غفلت سے کچھ لغزشیں بھی ہوئی ہیں جو اس وقت ذہن میں حاضر ہیں ان کی اطلاع جزوی طور پر دیتا ہوں[1] اور جو اس وقت ذہن میں حاضر نہیں ان کے لئے دو قاعدے عرض کرتا ہوں ایک یہ کہ میری کسی تصنیف میں جو اس محل لغزش سے متاخر ہو اس کی اصلاح کر دی گئی ہو۔ اور متاخر ہونا تاریخ کے ملانے سے جو کہ ہر تصنیف کے آخر میں التزاماً لکھی گئی ہے معلوم ہو سکتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ میری تالیفات میں جو مضمون متعارض ہو اس میں آخر کا قول میرا سمجھا جاتے دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مواقع مشتبہ کو دوسرے علمائے محققین سے تحقیق کر لیا جائے اور ان کے قول کو میرے قول پر ترجیح دی جائے۔ اسی طرح اگر میرا لکھا ہوا کوئی مشتبہ فتویٰ کسی کی نظر سے گذرے اس میں بھی یہی تقریر معروض ہے کیونکہ بعض اوقات لکھنے کے بعد خود مجھ کو بعض جوابوں کا غلط ہونا محقق

---

[1] اس کی تفصیل اشرف السوانح ج (۳) میں دیکھو۔

ہوا ہے میں نے سائل کا پتہ معلوم ہونے پر اس کو مطلع بھی کر دیا ہے لیکن پتہ نہ معلوم ہونے کی صورت میں یا اس سائل کے پاس میری تصحیح کے محفوظ نہ رہنے کی تقدیر پر میرا احتمال غلطی میں پڑنے کا ہو سکتا ہے۔ اس لئے احتیاطاً یہ عرض کیا گیا۔

(۶) میری تحریرات میں جو مضامین از قبیل علوم مکاشفہ ہیں جو کہ علم تصوف کی ایک قسم ہے جس کو حقائق و معارف سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور نصوص شرعیہ ان سے ساکت ہیں ان کو حسب قاعدہ اصولیہ و کلامیہ امور ثابتہ بدلائل شرعیہ کے درجہ میں نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ بالکل اعتقاد نہ رکھنا بھی جائز ہے اور اگر اعتقاد رکھے تو محض احتمال کے درجہ سے تجاوز نہ کرے۔

(۷) میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے خواہ بذریعہ کتاب ہو یا بذریعہ صحبت بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ سے حفاظت ہو سکے جن کی آج کل بیحد کثرت ہے اس میں ہرگز غفلت یا کوتاہی نہ کریں

(۸) دینی یا دنیوی مضرتوں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ (۱) شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں (۲) تعجیل نہایت بری چیز ہے (۳) بے مشورہ کوئی کام نہ کریں (۴) غیبت قطعاً چھوڑ دیں (۵) کثرت کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرت اختلاط خلق بلا ضرورت شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ اور خصوصاً جب کہ دوستی کے درجہ تک پہنچ جائے پھر خصوص جب کہ ہر کس و ناکس کو راز دار بھی بنا لیا جائے نہایت مضر چیز ہے (۶) بدون دنیوی رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھایا جائے (۷) بدون سخت تقاضے کے ہمبستر نہ ہوں۔

Marfat.com

(۸) بدون بخت حاجت کے قرض نہ لیں (۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں (۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں (۱۱) سخت مزاجی اور تند خوئی کی عادت نہ کریں اور ضبط و تحمل کو اپنا شعار بنائیں (۱۲) ریا و تکلیف سے بہت بچیں اقوال و افعال میں بھی طعام و لباس میں بھی۔ (۱۳) مقتداء کو چاہیئے کہ امراء سے نہ بدخلقی کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بناوے بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لئے۔ (۱۴) معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں (۱۵) روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں خواہ سمجھنے میں خواہ نقل میں (۱۶) بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت تجویز طبیب حاذق و شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں (۱۷) زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت و لایعنی سے احتیاط رکھیں۔ (۱۸) حق پرست رہیں اپنے قول پر جمود نہ کریں (۱۹) تعلقات نہ بڑھائیں (۲۰) کسی کے دنیوی معاملات میں دخل نہ دیں۔

(۹) حتی الامکان دنیا و ما فیہا سے جی نہ لگائیں اور کسی وقت فکر آخرت سے غافل نہ ہوں ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیام اجل آجائے تو فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق و اکن من الصالحین۔ اور ہر وقت یہ سمجھیں ع "شاید ہمیں نفس نفس واپسین بود" اور علی الدوام ان کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

(۱۰) میں اپنے متعلقین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد رکھ کے سورہ یٰسین شریف یا تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر محمد کو بخشش دیا کرے مگر احمد

کوئی امر خلاف سنت یا بدعت عوام وخواص میں سے نہ کرے۔
(۱۱) میرے ایصال ثواب کے لئے کبھی جمع نہ ہوں نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ اگر کسی دوسرے اتفاق سے بھی جمع ہو جاویں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہو جاویں۔ اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دعا و صدقہ و عبادات نافلہ سے نفع پہنچاوے نیز میری مستعمل چیزوں کے ساتھ تعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں البتہ اگر کوئی محبت سے شرعی طریق سے اس کا مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں اس کا اعلان اور دوسروں کے دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جائے۔
(۱۲) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتماد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً اور پانچوں نماز کے وقت نہایت لجاجت وتضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسب وعدہ لئن شکرتم لازیدنکم یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے اور اسی کے ساتھ میں اپنے لئے بھی اس دعا کے لئے درخواست کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی ایمان پر خاتمہ فرمادے۔

باری تعالیٰ اس راقم ہیچمدان کو اور ہر مسلمان کو حسن خاتمہ کی دولت سے سرفراز فرمائے "آمین ثم آمین"

تمت

باب پنجم

معالجات فی اشیا

معالجاتِ اشرفیہ

حصولِ احسان وتقویٰ کا فن جسکو اصطلاح عام میں تصوف کہتے ہیں ایک نہایت دقیق فن ہے اس میں حکیم الامتؒ کو جو نظر عمیق حاصل تھی اس کا اندازہ زیر نظر تالیف کے عنوان "شانِ تربیت" سے عیاں ہے آپ کے معالجات زائد از ہزار صفحات میں "تربیت السالک" کے نام سے جمع و محفوظ کئے گئے مگر یہ ذخیرہ غیر منظم شکل میں تھا۔ آپ کے ایک خلیفہ ارشد مولانا محمد عیسیٰؒ صاحب نے جو ظاہر و باطن میں شیخ قدس سرہٗ کی تصویر تھے اس منتشر مواد کو مرتب و مدون کیا اور اس کو اس فن کی ایک بنیادی و نصابی کتاب کی حیثیت میں لے آئے۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس تالیف کو پسند فرمایا اور اس کا نام مؤلف کے نام کی مناسبت سے "انفاس عیسیٰ" تجویز ہوا۔

بقول حضرت سیدی و مولائی مدظلہٗ انفاس عیسیٰ کیا ہے ایک "قرابادین تصوف" ہے اسی لقب سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح قرابادین اعظم کے چھپ کر شائع ہو جانے یا ڈاکٹر کینٹ کی ایپ رٹری (قرابادین) کے عام دستیاب ہونے کے باوجود اب بھی مریضوں کو اطباء اور ڈاکٹروں کی احتیاج بدستور لاحق ہے اور ان کی تشخیص و تجویز کے بغیر امراض سے نجات محال ہے اسی طرح گو یہ "قرابادین تصوف" مجربات سے پر ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھی کسی ماہر طبیب روحانی کی رہبری ضروری ہے چنانچہ جس طبیب حاذق و شیخ کامل کے یہ مجربات جمع کئے گئے ہیں خود اسی کا یہ ارشاد ہے:-

Marfat.com

"بزرگوں سے جو بعض اختیاری مجاہدات منقول ہیں وہ بطور قرب العبد کے نہیں بلکہ محض بطور معالجہ کے ہیں جن کی تجویز کے لئے مجتہد کا اجتہاد یا شیخ کی اجازت ضروری ہے"۔ ایک اور مقام پر اس سے صاف اور واضح طور پر بتایا ہے۔

"اگر کوئی شخص شیخ سے مستغنی ہو جائے تو اس وقت وہ چھوٹا ہونا شروع ہو جائے گا"[۱]

ایک دوسری جگہ مشائخ سے تعلق کی ایک اور افادیت بھی بتائی ہے جو محض کتابوں سے حاصل نہیں ہو سکتی فرماتے ہیں:۔

"مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اس لئے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا ہو جاتی ہے خود کتابیں دیکھ کر علاج کرنا کافی نہیں"

اس ضروری تمہید کے بعد اب اسی "قرابادین تصوف" سے بعض عام اور مہلک امراض کا صرف ایک ایک نسخہ درج کیا جاتا ہے جس سے صاحب سوانح علیہ الرحمۃ کی حذاقت اور مہارت فن کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

اختیار کا نسخہ اور ہر مرض روحانی میں اس کی ضرورت

"اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے کچھ نہیں اسی پر مدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا۔ سارے اعمال شرعیہ اختیاری ہیں ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے پس جب اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے البتہ دشواری اور کلفت اول اول ضرور ہو گی لیکن اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت سے اور اختیار سے برابر تکلف اور جبر کام لیتا رہے تو رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بسہولت ہو جائے گی۔

---

[۱] بالکل ایسے ہی جیسے کوئی مریض کسی طبیب سے مستغنی ہو کر خود ہی اپنا علاج آپ شروع کر دے تو غلط سلط

Marfat.com

پریشانیوں کا علاج

عذاب آخرت کا مراقبہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے اس سے کلفت وکدورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اسی فکر سے قلب میں نورانیت وانشراح ہوتا ہے جس کا راز یہ ہے کہ اس فکر سے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور تعلق ہو جاتا ہے اور تعلق مع اللہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔

بدنظری کا علاج

بدنگاہی میں ایک درجہ میلان کا ہے جو کہ غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ بھی نہیں اور ایک درجہ ہے اس کے مقتضاء پر عمل کرنے کا یہ اختیاری ہے اس پر مواخذہ بھی ہے اور اس عمل میں قصداً دیکھنا اور سوچنا سب داخل ہے اس کا علاج کف نفس (نفس کو روکنا) اور غض بصر (نگاہ کو نیچی رکھنا) ہے کہ یہ بھی اختیاری ہے کہ ہمت کرکے اس کو اختیار کرے گو نفس کو تکلیف ہو مگر یہ تکلیف نارِ جہنم کی تکلیف سے کم ہے (یعنی نارِ جہنم کی تکلیف کا تصور جمالے ۔مولف) اور جب چند روز ہمت سے ایسا کیا جائے گا تو میلان میں بھی کمی ہو جائے گی بس یہی علاج ہے اس کے سوا کچھ علاج نہیں اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہے۔

مبتلائے معصیت زنا ولواطت کا علاج

معالجہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا بنایا ہے استعمال میں ہمت کی ضرورت ہے اس کے اجزاء یہ ہیں (۱) پورے چالیس روز خلوت میں رہو (۲) سب سے مطلقاً کلام ترک کردو بجز حوائج ضروریہ کے متعلق جو کلام ہو۔ مثلاً کھانے کے متعلق یا بازار کے سودا سلف کے متعلق اور وہ بھی بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے (۳) کسی کے پاس نہ بیٹھو نہ ملو بجز مجلس شیخ کے (۴) تین روزے متواتر رکھو اور اس میں امداد

Marfat.com

سے جو وقت بچے استغفار اور نوافل میں مشغول رہو (۵) جملہ عصیان کے معاصی سے سخت پرہیز کرو پھر شیخ کو اطلاع دو۔

غیبت کا علاج جس کی غیبت کرے اس کو اپنی اس حرکت سے اطلاع کر دیا کرے تھوڑے دن اس پر مداومت سے انشاء اللہ یہ مرض بالکل دفع ہو جائے گا لیکن جس سے معافی چاہے اس کو غیبت کی تفصیل تبلانا، ایذا دینا ہے اس لئے اجمالاً یوں کہنا کہ "میرا کہا سنا معاف کرو" کافی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے غیبت کی تھی ان کے سامنے اس کی مدح وثنا کرے اگر بات جھوٹ نہ ہو بلکہ سچ ہو تو یوں کہدے کہ بھائی فلاں بات (جسکی بنا پر غیبت ہوئی تھی) پر اعتماد کر کے فلاں شخص سے بدگمان نہ ہونا کیونکہ خود مجھے اس بات پر اعتماد نہیں رہا،، (یہ توریہ ہو گا کیونکہ سچی بات پر بھی اعتماد قطعی بلخبر دحی کے ہو نہیں سکتا) اگر وہ شخص جس کی غیبت کی تھی مر گیا تو اس کے لئے دعا اور استغفار کرتا رہے یہاں تک کہ دل میں یہ یقین ہو جائے کہ اب وہ راضی ہو گیا۔

کبر کی حقیقت اور اس کا علاج نعمت پر فخر کرنا کبر ہے اور اس کو عطائے حق سمجھنا اور اپنی نا اہلی کو مستحضر رکھنا شکر ہے اسی طرح کبر و استغنا میں بھی فرق ہے کبر یہ ہے کہ اپنے کو کسی کمال میں دوسرے سے بڑا سمجھنا اور اس کے ساتھ دوسرے کو حقیر سمجھنا اگر یہ نہ ہو (کسی کمال کی وجہ سے دوسرے کی تحقیر منظور نہ ہو) تو "استغنا" ہے۔

علاج "تکبر کا علمی علاج تو یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسرے کے عیوب کا ظن کے

ساتھ علم ہے اور جو شخص معیوب یقینی ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا چاہیئے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک عملی علاج نہ کیا جائے گا تکبر دور نہ ہو گا۔

غصہ کا علاج

(۱) جس وقت غصہ آئے امور ذیل کی پابندی کرے میں بھی حق تعالیٰ کا خطاوار ہوں اگر وہ بھی اس طرح غصہ کریں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہو (۲) اگر میں اس کو معاف کر دوں گا اللہ تعالیٰ مجھکو معاف فرماوینگے (۳) ایسے وقت فوراً کسی کام میں لگ جائے خصوصاً مطالعہ کتب میں۔ (۴) اس جگہ سے ہٹ جائے۔ (۵) اعوذ باللہ کثرت سے پڑھے (۶) پانی پی لے (۷) وضو کر لے۔

حسد اور غبطہ کا فرق

حسد وہ ہے جس میں محسود سے زوال نعمت کی تمنا ہو اور غبطہ (رشک) وہ ہے کہ اس کے پاس رہتے ہوئے اپنے لئے بھی حصول کی تمنا ہو۔

حسد کا علاج

حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے ترقی خیر کی خوب دعا کیا کرے اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے خواہ مال سے یا بدن سے یا دعا سے چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا۔

کینہ اور طبعی انقباض کا فرق اور کینہ کا علاج

کینہ وہ ہے جو اختیاراً و قصداً کسی کی برائی و بدخواہی دل میں رکھی جائے۔ رنج کی کوئی بات پیش آنے اور اس سے ملنے کو جی نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباض طبعی ہے جو گناہ نہیں کینہ کا علاج یہ ہے کہ جس سے کینہ ہو اس کے ساتھ بتکلف اختلاط و احسان کرے۔

Marfat.com

حبِ جاہ کا علمی و عملی علاج

اس رذیلہ یعنی (حبِ جاہ) کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں ان کا ذہن میں حاضر کرنا زبان سے بھی ان کا تکرار کرنا بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا ان سے عذاب پہنچنے کا اندیشہ ہے اسی کے ساتھ اپنے عیبوں کا استحضار اور نفس کو کہ اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جائے تو کتنا ذلیل اور حقیر سمجھیں تو بھی غنیمت لوگ نفرت و تحقیر نہیں کرتے چہ جائیکہ ان سے تعظیم و مدح کی توقع رکھنا ہے۔ عملی جز یہ ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دے محض سرسری طور پر نہیں بلکہ سے اور ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں ان کی تعظیم کرے گو نفس کو گ

ریا کی حقیقت اور اس کا علاج

ریا کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا اظہار کسی دنیوی غرض سے کیا جائے یا کسی فعل مباح کا اظہار کسی معصیت کی غرض سے کیا جائے۔

عام صوفیوں کا مشہور قول یہ ہے کہ خلق سے اظہار عبادت ریا ہے اور محققین کا ارشاد ہے کہ خلق سے اخفائے عبادت بھی ریا ہے کیونکہ مخلوق پر نظر ہی کیونکہ جو اس سے اخفاء کا اہتمام کیا اگر مخلوق کو کالعدم اور لاشے اور الغبا سمجھتے جیسے کی صفتیں تو ان سے اخفا نہ کرتے۔

علاج

ریا رضائے خلق سے بچنا چاہتے ہو تو فنا کا طریق اختیار بغیر فنائے کامل کے ریا سے حفاظت نہیں ہو سکتی۔

علاجِ کذب

جس کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو اس کا عجیب و غریب عملی علاج یہ جس سے کلام کرے اس سے پہلے کہہ دیا کرے کہ میری عادت کثرت جھوٹ بولنے کی ہے تھوڑے دنوں کی مدادت میں ان شاء اللہ یہ عادت چھوٹ جا

Marfat.com

وسوسوں کا علاج وسوسہ سے اصلا پریشان نہ ہو بلکہ حضرت حاجی (امداد اللہ صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ان وساوس کو جمال حق کا مرآۃ (آئینہ) بنا لے۔ اس طرح کہ یوں مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی عجیب قدرت ہے کہ دل میں ایک دنیا خیالات کا پیدا کر دیا ہے جس کی کہیں انتہا ہی نہیں اور جو کہیں رکتا ہی نہیں۔ اسی طرح وساوس کو قدرت حق کو معرفت کا وسیلہ بنانے سے انشاء اللہ وہ خود بند ہو جائیں گے کیونکہ شیطان کا مقصود تو وساوس سے یہ ہے کہ خدا سے بعید کرے۔ جب خود ان وساوس ہی کو قرب کا وسیلہ بنا لیا تو اب شیطان وسوسے ڈالنا بند کر دے گا، غالباً شیخ ابو سلیمان دارانیؒ کا ارشاد ہے کہ وساوس سے خوش ہوا کرو، یعنی خوشی ظاہر کیا کرو کیونکہ شیطان کو علم غیب نہیں ہے جب تم خوشی ظاہر کرو گے تو وہ یہی سمجھے گا کہ دل سے خوش ہوتا ہے اور وہ مسلمان کو خوش کرنا نہیں چاہتا اسلئے وسوسہ ڈالنا بند کر دے گا۔

حصول راحت کا نسخہ اکسیر تم اپنی طرف سے بلا تجویز کرو نہ راحت بلکہ وہ جو تجویز کر دیں اسپر راضی رہو حضرت یہ نسخہ اکسیر ہے جس سے نہ اہل دنیا کو استغنا ہے نہ اہل دین کو، نہ علماء کو استغنا ہے نہ عرفاء کو بلکہ تمام عالم اس کا محتاج ہے۔

پنج گنج اشرف خصائل رذیلہ کو دور کرنے کے چند نسخے لکھے جا چکے، آخر میں حکیم الامت کی پانچ انمول ہدایتیں لکھی جاتی ہیں، اگر نظر اور عمل ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ روحانی صحت کبھی بگڑنے نہ پائے گی، بلکہ دن بدن اس میں ایک بے پناہ قوت و طاقت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ ارشاد ہے۔

(۱) حبّ رسول اور حبّ شیخ مفتاح سعادت ہے۔

(۲) عمر بھر اس کی ضرورت ہے کہ اپنے نفس کی نگہداشت رکھے۔ اور علاج لگا رہے۔ کاملین بھی اس سے فارغ نہیں۔ صرف ضعف و قوت کا فرق ہے۔ یاس ہونا چاہیئے نہ فراغ

(۳) استقامت علی الاعمال خود ایک رفیع حالت ہے جو سب کیفیات سے راجح ہے!

(۴) ثمرات پر نظر کرنا سبب ہے پریشانی کا!

(۵) انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے، رہا یہ کہ اقتضاآت ہی زائل یا ضعیف ہو جائیں۔ اس کا انسان نہ مکلف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے ؎

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے!

اب دعا ہے کہ اے ارحم الراحمین اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کے اس رہبر مشفق کو اپنی رحمت خاصہ کے آغوش میں چھپا لے اور اسکو اپنی خوشنودی و رضا سے شادکام فرما۔ اسکے آثار و نقوش کو عموم و دوام عطا فرما۔ اے بار الٰہا! اس مؤلف حقیر کو اور اپنے بندۂ اشرف کے تمام محبین و معتقدین کو خصوصاً اور سارے مسلمانوں کو عموماً اتباع سنت متواترہ اور استقامت دین حنیف کی توفیق بخش اور حسن خاتمہ کی دولت لازوال ان کیلئے مقدر فرما ؎ ندایم غیر از تو فریاد رس ٭ توئی عاصیان را خطا بخش و بس

آمین بجاہ حبیبک یا ارحم الراحمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد نبی الامی وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ تمت

کراچی۔ یکم رمضان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ اشرف

(سوانح حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ)

(مؤلفہ)

غلام محمد عفی عنہ

بی۔ اے (عثمانیہ)

ناشر

کاروانِ ادب .... کراچی

Marfat.com